# غالب کی نادر تحریریں

یعنی مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کے
وہ اردو خطوط اور مختلف تحریریں
جو کسی مجموعے میں شامل نہیں
ہیں۔ حواشی اور توضیحات
کے ساتھ

مُرتّبہٗ
خلیق انجم

اُستاد شعبۂ اُردو کروڑی مل کالج دھلی

مکتبہ شاہراہ دھلی

| | |
|---|---|
| پہلی بار | فروری ۱۹۶۱ء |
| تعداد | ایک ہزار |
| ناشر | مکتبہ شاہراہ |
| طابع | بیری آرٹ پریس اور کوہِ نور پریس دہلی |

مرتب کی دوسری کتابیں

۱۔ معراج العاشقین مع دکنی کلام (مطبوعہ)
۲۔ تاراس بلبا ترجمہ (مطبوعہ)
۳۔ مرزا مظہر جان جاناں :۔ احوال و آثار (زیر طبع)
۴۔ جستجو :۔ تنقیدی مضامین (زیر طبع)

قیمت :۔ چار روپے

# غالب کی نادر تحریریں

# فہرست

غالبؔ کے معتقد اور میرے محسن

## ڈاکٹر سروپ سنگھ

(صدر شعبۂ انگریزی، کروکشیتر یونی ورسٹی)

کے نام

بک جاتے ہیں ہم آپ متاعِ سخن کے ساتھ
لیکن عیارِ طبع خریدار دیکھ کر

# مقدمہ

اردو میں خطوط لکھتے ہوئے غالب کو شاید ہی خیال آیا ہو کہ وہ اردو خطوط نگاری میں ایک نئے باب کی ابتدا کر رہے ہیں۔ انھوں نے بقول خود سہل پسندی کی وجہ سے اردو میں خطوط لکھنے شروع کیے تھے لیکن ان کی جدت پسند طبیعت اور غیر معمولی ذہانت نے یہاں بھی ان کی انفرادیت کو قائم رکھا۔ جب پہلی بار منشی شیو نرائن اور مرزا ہرگوپال تفتہ نے مرزا کے خطوط شائع کرنا چاہے تو وہ اس کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں غالب نے منشی شیو نرائن کو لکھا ہے۔

"اردو خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں یہ بھی زائد بات ہے۔ کوئی ایسا ہوگا کہ جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا۔ ورنہ صرف تحریر سرسری ہے۔ اس کی سیرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں۔ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا میرے خلاف طبع ہے۔" [1]

شاید منشی شیو نرائن اور ہرگوپال تفتہ نے ایک ہی ساتھ خط لکھ کر مرزا سے اجازت چاہی تھی۔ کیونکہ مرزا دو دن بعد ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء کے خط میں پھر منشی شیو نرائن کو لکھتے ہیں۔

"رقعوں کے چھاپے کے باب میں ممانعت کر چکا ہوں البتہ اس باب میں میری رائے پر تم کو اور مرزا تفتہ کو عمل کرنا ضرور ہے۔" [2]

---

[1] اردوئے معلی مبارک علی ایڈیشن

[2] ایضاً

غالباً ان خطوط کے بعد شیو نرائن اور تفتہ نے خطوطِ غالب کی طباعت کا ارادہ ترک کر دیا۔

نامۂ غالب | یہ شاید غالب کا پہلا خط ہے جو کتابی صورت میں شائع ہوا اس خط کی حقیقت یہ ہے کہ مرزا رحیم بیگ رحیم میرٹھی نے غالب کی قاطع برہان کے جواب میں ساطع برہان لکھی۔ غالب نے ساطع برہان کے جواب میں رحیم میرٹھی کو براہِ راست ایک خط لکھا۔ اور سولہ صفحے کا یہ خط "نامۂ غالب" کے نام سے مطبع محمدی میں اپنے خرچ سے چھپوایا۔ غالب اس خط کے بارے میں ۱۷ ستمبر ۱۸۶۵ء کو میاں داد خاں سیاح کو لکھتے ہیں۔

"نامۂ غالب صاحب طبع نے اپنی بکری کے واسطے نہیں چھاپی جو میں مول لیکر بھیجوں اور تم سے اس کی قیمت مانگ لوں میں نے آپ تین سو جلدیں چھپوائیں دور و نزدیک بانٹ دیں" [۱]

خط کی تاریخ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نامۂ غالب ستمبر ۱۸۶۵ء سے ایک دو ماہ پہلے چھپا ہوگا۔ مالک رام لکھتے ہیں کہ یہ خط اودھ اخبار کی دو اشاعتوں (۱۰ اکتوبر اور ۱۷ اکتوبر ۱۸۶۵ء) میں بھی چھپا تھا [۲] بعد میں یہ خط عودِ ہندی میں بھی شامل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے ایک قلمی نسخہ سے بہت صحت کے ساتھ ہندوستانی (۱۹۳۴ء ص / ۱۰۷ - ۱۳۱) میں بھی نقل کیا ہے۔

مہرِ غالب | غالب کے خطوط کا پہلا مجموعہ "مہرِ غالب" کے نام مرتب ہوا، اس کے مرتب چودھری عبدالغفور سرور تھے اور منشی

---

[۱] اردوئے معلیٰ مبارک علی ایڈیشن ص / ۱۹ - ۲۰

[۲] ذکرِ غالب (ایڈیشن سوم) ص / ۱۷۸

ممتاز علی خاں مالک مطبع مجتبائی میرٹھ اسے چھاپنا چاہتے تھے۔ غالباً اس مجموعے کی ترتیب غالب کی اجازت کے بغیر ہوئی تھی۔ اس کا دیباچہ چودھری عبدالغفور سرور نے لکھا اور اس کا تاریخی نام مہر غالب رکھا، لیکن طباعت کا کام شروع کرنے سے پہلے انہیں خیال آیا کہ اگر غالب کے کچھ اور خطوط دستیاب ہو جائیں تو یہ مجموعہ زیادہ بہتر ہو سکتا ہے۔

عود ہندی ۔ نہ جانے کس طرح منشی غلام غوث خاں بے خبر نے غالب کے خطوط کی طباعت کے لئے اجازت حاصل کرلی، بلکہ بے خبر کی فرمائش کے مطابق خود غالب نے اپنے بعض دوستوں اور شاگردوں کو لکھ کر اپنے خطوط کی نقلیں فراہم کیں۔ غالب نے خطوط مرتب کرنے کی اجازت تو دے دی تھی لیکن وہ چاہتے تھے کہ اس مجموعہ میں ان کے نجی اور پرائیویٹ خط شامل نہ کئے جائیں۔ وہ بے خبر کو ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"آپ کو معلوم ہے کہ منشی حبیب اللہ ذکا اور نواب مصطفیٰ خاں حسرتی کو کبھی اردو خط نہیں لکھا ہاں ذکا کو غزل اصلاحی کے ہر شعر کے تحت میں منشار اصلاح سے آگہی دیجاتی ہے نواب صاحب کو یوں لکھا جاتا ہے۔ کہار آیا خط لایا، آم پہنچے، کچھ بانٹے، کچھ کھائے، بچوں کو دعا بچوں کی بندگی ..... غرضیکہ عامیانہ لکھنا اختیار کیا ہے۔ اب عبارت جو تم کو لکھ رہا ہوں، لائق شمول مجموعۂ نثر اردو کہاں ہے۔ یقین جانتا ہوں کہ ایسی نثروں کو آپ خود نہ درج کریں گے" [1]

لیکن بے خبر نے غالب کی مرضی کے خلاف مجموعہ میں ہر قسم کے خطوط شامل کر دیئے۔ بے خبر نے خطوط کی ترتیب کا کام $\frac{۱۲۷۸ھ}{۱۸۶۲ء}$ میں شروع کیا تھا۔ ترتیب

---

[1] اردوئے معلی (مبارک علی ایڈیشن) ص / ۲۲۳

اور طباعت میں اتنی تاخیر ہو گئی کہ غالب نے تنگ آ کر ۷ر مارچ ۱۸۶۴ء کے ایک
خط میں بے خبر کو لکھا

" ہاں حضرت کہیے منشی ممتاز علی خاں کی سعی بھی مشکور ہو گی؟ وہ
مجموعۂ اردو چھپے گا۔ یا چھپا ہی رہے گا احباب اس کے طالب ہیں بلکہ
بعض نے طلب کو بہ سرحد تقاضا پہنچا دیا ہے۔" [۲]

بے خبر نے اپنا مرتب کیا ہوا مجموعہ منشی ممتاز علی خاں کو بھیج دیا۔ انہوں نے سرور اور
بے خبر دونوں کے مرتب کئے ہوئے خطوط یک جا کر دیئے۔ مجموعہ کے دیباچہ کے لئے
بے خبر نے غالب کو لکھا۔ لیکن اپنی بیماری کی وجہ سے معذور تھے! انہوں نے جواب میں لکھا

"میں صاحب فراش ہوں، اٹھنا، بیٹھنا، ناممکن ہے خطوط لیٹے
لیٹے لکھتا ہوں۔ اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں" [۲]

مجبوراً منشی ممتاز علی خاں نے خود دیباچہ لکھا مجموعہ کا نام "عودِ ہندی" رکھا۔
وہ دیباچے میں لکھتے ہیں

" اس کتاب کی دو فصل اور ایک خاتمہ ہے پہلی فصل میں چودھری
صاحب کے مرتب کئے ہوئے خطوط اور ان کا لکھا ہوا دیباچہ، دوسری
فصل میں میرے جمع کئے رقعات اور خاتمہ میں چند نثریں ہیں۔ جو
جناب غالب نے اوروں کی کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں [۳]

کتاب کا خاتمہ قلق میرٹھی نے لکھا، آخر میں چار تاریخی قطعات بھی شامل ہیں۔ ان میں
ایک قلق میرٹھی کا ایک ان کے شاگرد محو میرٹھی کا ہے۔ دو قطعات پر کسی کا نام
نہیں ہے۔ امتیاز علی خاں صاحب عرشی کا خیال ہے کہ یہ قطعات خود ممتاز علی خاں
کے ہیں۔

---

[۱] عودِ ہندی مطبوعہ — ص / ۱۶۰
[۲] ایضاً — ص /
[۳] عودِ ہندی دیباچہ

اس مجموعہ کی طباعت ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ (۲۷ر اکتوبر ۱۸۶۸ء)
کو مکمل ہوئی۔ یہ بڑی تقطیع ۶ × ۹½ انچ کے سائز پر ۸۸ صفحات کی کتاب سے کل
۱۶۲ رقعات ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

| | | |
|---|---|---|
| چودھری عبدالغفور سرور کے نام | :- | ۲۵ |
| صاحب عالم کے نام۔ | :- | ۲ |
| شاہ عالم مارہروی کے نام | :- | ۲ |
| نواب انوار الدولہ کے نام | :- | ۲۰ |
| یوسف علی خاں عزیز کے نام | :- | ۲ |
| میر مہدی مجروح کے نام | :- | ۱ |
| میر سرفراز حسین کے نام | :- | ۱ |
| علاؤ الدین علائی کے نام | :- | ۱۰ |
| مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام | :- | ۱ |
| مرزا حاتم علی مہر کے نام | :- | ۱۸ |
| منشی غلام غوث بے خبر کے نام | :- | ۲۵ |
| عبدالغفور نساخ کے نام | :- | ۱ |
| ظہیر الدین خاں کی طرف سے ان کے چچا کے نام | :- | ۱ |
| مصطفےٰ خاں شیفتہ کے نام | :- | ۱ |
| ردان علی خاں رعنا مراد آبادی کے نام | :- | ۱ |
| مرزا رحیم بیگ کے نام | :- | ۱ |
| مولانا عبدالرزاق شاکر کے نام | :- | ۱۰ |
| قاضی عبدالجمیل جنوں بریلوی کے نام | :- | ۱۸ |
| مولوی عزیز الدین کے نام | :- | ۱ |
| سید محمد عباس کے نام | :- | ۱ |
| منشی غلام بسم اللہ کے نام | :- | ۱ |

ان خطوط کے علاوہ کچھ تقریظیں اور دیباچے بھی شامل ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ تقریظ بر مثنوی مرزا حاتم علی مہر
۲۔ تقریظ بر گلزار سرور مصنفہ مرزا رجب علی بیگ
۳۔ دیباچہ بر حدائق الانظار مصنفہ خواجہ بدرالدین
۴۔ دیباچہ بر رسالہ "قواعد تذکیر و تانیث" مصنفہ صفیر بلگرامی
۵۔ دیباچہ بر قصائدِ نواب کلب علی خاں
۶۔ غلام غوث خاں بے خبر کا خط غالب کے نام [1]

اردوئے معلی — یہ خطوطِ غالب کا تیسرا مجموعہ ہے عودِ ہندی کی طباعت کی خبر سن کر غالب کے احباب اور شاگردوں نے تقاضے شروع کر دیئے، لیکن چند مجبوریوں کی وجہ سے طباعت میں تاخیر ہو رہی تھی، آخر تنگ آکر دہلی میں غالب کے معتقدوں نے خود یہ کام سرانجام دینے کا ارادہ کیا۔ میر مہدی مجروح اردوئے معلی کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"اس واسطے میر فخرالدین مہتمم اکمل المطابع دہلی نے سعی بے پایاں اور لالہ بہاری لال صاحب منشی مطبع نے کوشش فراواں سے اکثر خطوط جمع کئے اور قصد انطباع کیا" [2]

اس مطبع کے مالک حکیم غلام رضا خاں تھے۔ ان لوگوں کی کوششوں سے ۲۱ ذیقعدہ ۱۲۸۵ھ (۶ مارچ ۱۸۶۹ء) کو یہ مجموعہ

---

[1] عودِ ہندی کے پہلے ایڈیشن سے متعلق تمام معلومات۔ مکاتیب غالب:۔ عرشی رامپوری ص/ ۲۳۵ - ۲۴۸ اور "عودِ ہندی کی ترتیب":۔ مولوی مہیش پرشاد ہندوستانی (۱۹۳۵ء ص/ ۴۴۷ - ۴۷۴) سے لی گئیں۔ دونوں کے بیانات میں کچھ اختلافات ہیں عرشی صاحب نے عودِ ہندی کی تاریخ طباعت ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ لکھی ہے۔ اور مولوی مہیش پرشاد ۲ رجب ۱۲۸۵ھ بتاتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے بھی ۱۰ رجب ۱۲۸۵ھ لکھی ہے۔ خطوط غالب:۔ مولوی مہیش پرشاد ص/ ب مولوی صاحب نے کل خطوط کی تعداد ۱۶۸

(بقیہ بر صفحہ ۱۷)

چھپ کر تیار ہو گیا۔

میر مہدی مجروح نے پانچ صفحے کا دیباچہ لکھا۔ وہ ان خطوط کی ترتیب کے بارے میں لکھتے ہیں:-

حضرت (غالب) کا جو سخن ہے وہ دُرِ عدن جو بات ہے ہے از رہ معنی کرامات ہے یہ نثر کی رنگینی یہ نظم کی شیرینی یہ غزل کی فصاحت یہ قصیدہ کی متانت یہ لفظوں کی محبوبی یہ ترکیب کی خوش اسلوبی یہ جدت معانی یہ طلاقتِ لسانی یہ سلاست عبارت یہ روانی مطالب دیکھی نہ سُنی۔ سطریں ہیں کہ موتی کی لڑیاں ہیں یہ باتیں ہیں کہ مصری کی ڈلیاں ہیں ؎ ..........

اردوئے معلّیٰ نام رکھا گیا۔ ان خطوط کو دو حصوں میں منقسم کیا۔ پہلے حصے میں صاف صاف عبارت کے خط تحریر کئے تاکہ طلبائے مدرسہ فائدہ اُٹھائیں۔ دوسرے حصے میں مطالب مشکلہ کی تحریر اور تقریظ وغیرہ لکھی تاکہ سخنوران معنی یاب اس کے دیکھنے سے مزا پائیں۔

مرزا قربان علی بیگ سالک نے اس کا سالِ طبع لکھا۔

کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا
لب پہ نالوں کا اژدھام ہوا
صدمۂ مرگ حضرتِ غالب
سببِ رنجِ خاص و عام ہوا

---

(بقیہ صفحہ ۱۲ سے آگے) بتاتی ہے۔ لیکن اس مجموعے میں بقول عرشی صاحب ۱۶۲ خطوط اور چھ تقریظیں وغیرہ ہیں۔

لہ دیباچہ اردوئے معلّیٰ

ہے یہی سالِ طبع سالِ وفات
آج اُن کا سخن تمام ہوا

* یہ مجموعہ ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ جن میں ۵ صفحے مجروح کے دیباچے ہیں۔ پانچویں صفحے کی پندرھویں سطر سے خطوط شروع ہو کر صفحہ ۲۵۸ کی تیرھویں سطر پر ختم ہوتے ہیں۔ اور باقی چار سطریں خاتمۃ الطبع پر مشتمل ہیں۔ صفحہ ۲۵۹ - ۲۶۱ کی ساتویں سطر تک سالک کا خاتمہ ہے اس کے بعد جوہر کی تاریخِ طبع، اور پھر اسی صفحے کی گیارھویں سطر سے صفحہ ۲۶۴ کی تیرھویں سطر تک تصحیح اغلاط کا نقشہ ہے۔ بعد ازاں میرزا صاحب کا اعلان عطیۂ حق تالیف ہے کتاب خانہ رام پور کے نسخے کے شروع میں زرد رنگ کا سرورق تھا۔ یہ میرزا صاحب کی زندگی ہی میں چھپ گیا تھا۔ اس لئے اس میں انہیں مرحوم نہیں لکھا گیا[1]

اردوئے معلیٰ میں خطوط کی کل تعداد ۴۰۷ ہے۔

نواب میر غلام بابا خاں کے نام :- ۱۰
میاں داد خاں سیاح کے نام :- 29
مولوی محمد حبیب اللہ ذکا کے نام :- ۱۰

---

[1] دیباچہ اردوئے معلیٰ

ماسٹر پیارے لال آشوب کے نام ۳

منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام ۲

منشی ہیرا سنگھ کے نام ۱

منشی بہاری لال مشتاق کے نام ۲

اُردوے معلّی کی طباعت سے ۱۹ دن پہلے غالب کا انتقال ہو گیا تھا۔ شاید اس لئے میر فخر الدین وغیرہ نے اُردوے معلّی کے دوسرے حصّے کی طباعت کا خیال ترک کر دیا۔

تیس سال بعد ۱۸۹۹ء میں جب مطبع مجتبائی کے مالک مولوی عبد الاحد کو اردوے معلّی کی طباعت کا خیال ہوا۔ تو حالی مرحوم نے حصّہ دوم کا کچھ مواد فراہم کر دیا۔ جسے عبد الاحد صاحب نے حصّہ دوم کے نام سے اُردوئے معلّی کے آخر میں شامل کر دیا۔ اس حصّہ میں عام طور پر وہ خطوط ہیں جن میں غالب نے اپنے تلامذہ کو اصلاحیں دی ہیں یا بعض ادبی نکات پر روشنی ڈالی ہے۔

دوسرے حصّہ کی ترتیب اس طرح کی گئی ہے۔

۷ سطروں کا ایک تقریبی نوٹ

(جسے مبارک علی کے پہلے ایڈیشن میں نکال دیا گیا)

دیباچہ بر سراج المعرفت مصنّفہ مولوی سید رحمت علیخاں

دیباچہ بر حدائق الانظار مصنّفہ خواجہ بدر الدین

تقریظ بر کتاب ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ

تقریظ بر گلزار سرور مصنفہ رجب علی بیگ سرور

دیباچہ بر دیوان ذکا

دیباچہ بر دیوان نواب کلب علی خاں

دیباچہ بر تذکیر و تانیث مصنفہ صفیرؔ بلگرامی

ان تقریظوں اور دیباچوں کے بعد خطوط ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے :-

| | |
|---|---|
| مرزا ہرگوپال تفتہ کے نام | ۳۴ |
| ماسٹر پیارے لال آشوب کے نام | ۱ |
| منشی حبیب اللہ ذکا کے نام | ۵ |
| میاں داد خاں سیاح کے نام | ۵ |
| شہزادہ بشیر الدین کے نام | ۲ |
| منشی کیول رام ہشیار کے نام | ۱ |
| مولوی کرامت علی کے نام | ۱ |
| منشی جواہر سنگھ جوہر کے نام | ۱ |
| منشی ہیرا سنگھ کے نام | ۱ |
| میر مہدی مجروح کے نام | ۲ |

**اردوئے معلیٰ کا ضمیمہ** ستمبر ۱۹۲۲ء میں شیخ مبارک علی نے اردوے معلیٰ شائع کی۔ اس میں ایک ضمیمہ بھی شامل کر دیا جسے سرخوش نے مرتب کیا تھا۔ ترتیب یہ ہے :-

| | |
|---|---|
| سیّد سجاد مرزا کے نام | ۲ |
| قدر بلگرامی کے نام | ۲۲ |
| شیخ لطیف احمد بلگرامی کے نام | ۱ |

قدرؔ بلگرامی اور شیخ لطیف احمد بلگرامی کے نام خطوط حسرت موہانی کے اردوے معلیٰ (دسمبر ۱۹۰۷ء) میں مولوی اصغر علی صاحب نے شائع کرا دیئے تھے۔ سرخوش نے انہی خطوط کو بغیر کسی حوالے کے ترتیب دیا ہے۔

**نکاتِ غالب** نظامی بدایونی نے خطوطِ غالب کے اقتباسات پیش کر کے غالب کی سوانح عمری مرتّب کی ہے۔ اُن کے بعض مذہبی، متصوفانہ اور ادبی عقائد کے متعلق خطوطِ غالب سے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ آخر میں غالب سے متعلق کچھ لطائف بھی درج ہیں۔ یہ کتاب پہلی بار نظامی پریس بدایوں سے ۱۹۲۰ء میں شائع ہوئی۔

**انتخابِ غالب** پنجاب کے فنانشل کمشنر میکلوڈ صاحب کی فرمائش پر غالب نے اپنی نثر و نظم کا مختصر انتخاب کیا تھا۔ جس کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صاحب کے پاس ہے۔ محمد عبدالرزاق نے ۱۳۴۵ھ / ۱۹۲۶ء میں ۲۰ صفحات پر مشتمل یہ انتخاب چشتیہ پریس حیدر آباد دکن سے شائع کر دیا تھا۔[1] انتخاب کی ترتیب یہ ہے:۔

۱۔ کتاب پر غالب کا دیباچہ

۲۔ رجب علی بیگ سرور کی حدائق العشاق کا دیباچہ

۳۔ خواجہ بدرالدین کی حدائق الانظار پر دیباچہ

۴۔ مجروح کے نام ۱۱ خط

۵۔ تین لطیفے

۶۔ ۳۱ اردو اشعار

۷۔ آخر میں غالب کا لکھا ہوا "خاتمہ"

---

[1] مالک رام لکھتے ہیں۔ یہ کتاب (محمد عبدالرزاق) نے مرتب کی۔ اور دین محمدی پریس لاہور سے چھپ کر ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔" (ذکر غالب ایڈیشن سوم ص ۱۷۶) میرے پاس انتخاب غالب کا جو مطبوعہ نسخہ ہے وہ بھی محمد عبدالرزاق کا شائع کردہ ہے۔ لیکن وہ ۱۳۴۵ھ (۱۹۲۶ء) میں چشتیہ پریس حیدر آباد سے شائع ہوا تھا لاہور سے اس کا دوسرا ایڈیشن بھی چھپا تھا۔

**ادبی خطوطِ غالب** محمد عسکری نے اُردوے معلیٰ اور عودِ ہندی سے غالب کے ایسے خطوط کا انتخاب کیا ہے جس میں غالب نے اپنے تلامذہ کو اصلاح دی ہے یا کسی ادبی مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ مجموعہ پہلی بار ۱۹۲۹ء میں انوار المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا تھا۔ شروع میں ۱۵ صفحے کا دیباچہ ہے اور پھر خطوطِ غالب ہیں۔

**سرگذشتِ غالب** مرزا احمد بشیر نے بھی خطوطِ غالب کی مدد سے غالب کی سوانحِ حیات مرتب کی ہے۔ یہ کتاب نکاتِ غالب سے زیادہ طویل ہے۔ اور غالب کی زندگی کے اچھے خاصے حصّے کا احاطہ کرتی ہے۔ سرگذشتِ غالب پہلی بار ۱۹۳۲ء میں عزیزی پریس آگرہ میں طبع ہوئی۔

**مکاتیب الغالب** سید شاہ علی احسن، احسن مارہروی نے "مکاتیب الغالب" کے نام سے اُردوے معلیٰ اور عودِ ہندی کے کچھ خطوط کا انتخاب کیا ہے۔ شروع میں غالب کی مختصر سوانح عمری، اُن کے کلام اور اُردو نثر پر تنقید اور پھر اٹھاسی خطوطِ غالب کا انتخاب ہے۔ آخر میں انٹرمیڈیٹ کے امتحان کے پرچے نقل کیے ہیں۔ کتاب پر کوئی سنہ طباعت نہیں ہے۔ خیال ہے کہ ۱۹۳۶ء میں یہ انتخاب علی گڑھ بک کمپنی سے شائع ہوا۔

**مکاتیبِ غالب** غالب کی نواب یوسف علی خاں اور نواب کلب علی خاں سے بارہ سال تک خط و کتابت رہی تھی۔ اس طویل عرصے میں غالب نے ان دونوں کو سینکڑوں خطوط لکھے۔ مگر بدقسمتی سے اِن خطوط کا بیشتر حصہ ضائع ہو گیا۔ صرف وہ خطوط محفوظ رہے جو دارالانشا کے سپرد کر دیے گئے تھے۔ امتیاز علی خاں صاحب عرشی نے اُن خطوط کو ترتیب دیا ہے مکاتیب غالب

اُردو خطوط کی تاریخ میں پہلا مجموعہ ہے. جس میں تحقیق و تدقیق کے اصولوں کی اتنی سخت پابندی کی گئی ہے. اور جسے دنیا کی کسی بھی زبان کے خطوط کے مجموعوں کے ساتھ رکھا جا سکتا ہے. اس مجموعہ کا پہلا ایڈیشن ۱۹۳۷ء میں مطبع قیمۃ. بمبئی سے شائع ہوا. اور مطبوعاتِ کتاب خانہ ریاست رامپور کا سلسلہ نمبر ۱ ہے. ۸۳ صفحات پر تقریب اور دیباچہ وغیرہ اور ۱۳۵ صفحات پر مشتمل خطوط ہیں. جن کی ترتیب اس طرح ہے.

تقریب، تمہید، سرگذشتِ غالبؔ، تصانیف، تلامذہ لوازماتِ امارت، انگریزی تعلقات، بہادر شاہ ظفر سے تعلقات تعلقاتِ رامپور، انشائے غالبؔ، متعلقاتِ انشا.

طباعت خطوط. عودِ ہندی اور اُردوئے معلیٰ کے پہلے ایڈیشنوں پر تبصرہ خطوط کی ترتیب:-

| | |
|---|---|
| نواب یوسف علی خاں ناظمؔ | ۴۱ |
| (ان میں ۴ فارسی میں ہیں) | |
| نواب کلب علی خاں | ۶۴ |
| صاحبزادہ سید زین العابدین خاں | ۲ |
| منشی سیلچند | ۶ |
| خلیفہ احمد علی رامپوری | ۱ |
| مولوی محمد حسن خاں | ۱ |

"مکاتیبِ غالبؔ" کے سستے نسخے بھی چھپے تھے. ۱۹۴۹ء تک اس کے سات ایڈیشن طبع ہو چکے تھے. اوپر دی گئی تفصیل پہلے ایڈیشن کی ہے. بعد میں تقریباً ہر ایڈیشن میں ترمیم ہوتی رہی ہے.

**نادر خطوطِ غالب** اس کے مرتب سید محمد اسمٰعیل رسا ہمدانی ہیں۔ غالب کے خطوط کا یہ مجموعہ ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۳۹ء میں یہ کاشانۂ ادب لکھنؤ سے شائع ہوا۔ اس میں رسا صاحب کا لکھا ہوا ایک دیباچہ اور غالب کے ۲۷ خطوط ہیں۔

سید شاہ کرامت حسین کرامت ہمدانی

| | |
|---|---|
| کے نام | ۲۳ |
| صفیر بلگرامی کے نام | ۳ |
| صوفی منیری کے نام | ۱ |

رسا ہمدانی دیباچے میں لکھتے ہیں :-

"میرے دادا سید شاہ علی حسین ہمدانی المتخلص بہ عالی ہمدانی نے ۱۹۱۲ء میں غالب کے چند غیر مطبوعہ خطوط جو اُن کے والد سید شاہ کرامت حسین کرامت ہمدانی بہاری کے نام سے آئے تھے۔ ایک خوشخط کاتب سے صاف کرا کے کتابی صورت میں ایک جا جمع کیے تھے۔ اور ان کا تاریخی نام "نادر خطوطِ غالب" رکھا تھا۔ افسوس یہ ہے کہ چند مجبوریوں کی وجہ سے وہ خطوط کتابی صورت میں اب تک شائع نہ ہو سکے۔" (ص/۱۵/۱۶)

حقیقت یہ ہے کہ اِن ستائیس خطوں میں ۲۶ خطوط جعلی ہیں۔ صرف صوفی منیری کے نام ایک خط اصل ہے۔ رسا صاحب نے عودِ ہندی اور اُردوے معلی سامنے رکھ کر بہت سے خطوط کی مختلف عبارتیں نکال کر انھیں مرتب کیا ہے۔

مالک رام اور قاضی عبدالودود نے ثابت کیا ہے کہ یہ خطوط ہرگز شاہ کرامت علی کے نام نہیں لکھے گئے۔ خود رسا ہمدانی صاحب کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں۔ [1]
"غالب کی نادر تحریریں" میں نمونے کے طور پر ایک جعلی خط بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

**خطوطِ غالب جلد اول** مولوی مہیش پرشاد نے غالب کے تمام اردو خطوط اور نثر کو دو جلدوں میں مرتب کرنے کا ارادہ کیا تھا، مگر وہ صرف پہلی جلد مرتب کر سکے جو ۱۹۴۱ء میں ہندوستانی اکیڈیمی الہ آباد سے شائع ہوئی۔ مولوی صاحب نے ہر مکتوب الیہ کے نام خطوط کو تاریخ وار ترتیب دیا۔ اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے اس کے مسودے پر نظر ثانی کی۔ غالب کے جن خطوط پر سنہ تحریر یا تاریخ نہیں تھی۔ انھیں متعین کیا گیا ہے۔ لیکن اپنے بتائے ہوئے سنین کی کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ خطوط پر حواشی بھی نہیں لکھے گئے۔

**نادراتِ غالب** منشی نبی بخش حقیر سے غالب کے بہت گہرے مراسم تھے۔ اگرچہ اُن کا شمار تلامذۂ غالب میں تھا۔ لیکن غالب اُن کی علمیت کے بہت قدرداں تھے۔ بعض دوسرے لوگوں کے خطوط میں بھی اُن کا ذکر آیا ہے۔ خطوط کا یہ مجموعہ میر مہدی حسن مجروح اور میر افضل علی میرن صاحب نے طباعت کی غرض سے فراہم کیا تھا۔ لیکن کسی وجہ سے اس کی طباعت نہ ہو سکی۔ اور یہ مجموعہ میرن صاحب کے نواسے آفاق حسین آفاق کو

---

[1] تفصیلی مطالعے کیلئے ملاحظہ ہو "نادر خطوطِ غالب" (تبصرہ) مالک رام۔ جامعہ: مارچ ۱۹۴۲ء ص/۱۷۳۔ ۱۹۰۔
اور "نادر خطوط غالب" (تبصرہ) قاضی عبدالودود معیار (پٹنہ) جنوری ۱۹۴۳ء

ورثہ میں ملا۔ اُنھوں نے ۱۹۴۹ء میں "ادارۂ نادرات" کراچی سے اسے شائع کیا ہے۔ اس میں سرنامہ ڈاکٹر عبدالحق کا لکھا ہوا ہے۔ تمہید کے بعد ایک طویل دیباچہ ہے۔ جس کے مختلف عنوانات یہ ہیں۔ منشی نبی بخش حقیرؔ، پاکھل، غالبؔ کی طبی دستگاہ، تاریخ، پرتوستان، انشائے غالبؔ، دس سال، تشریحات و توقیت کلام، تابل کی زندگی، مرزا غالبؔ کے شاگرد .... دیباچہ کے بعد منشی نبی بخش حقیرؔ کے نام ایک خط فارسی کا اور تہتر خط اُردو کے ہیں۔ کتاب کے آخر میں خطوط کے حواشی بھی شامل ہیں۔

**غالبؔ کے اُردو خطوط نویسی کا آغاز** مولانا حالیؔ نے لکھا ہے کہ غالبؔ نے ۱۸۵۰ء میں اُردو میں خط لکھنے شروع کیے۔ مالک رام نے حالیؔ کے اس بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے :-

> "گمانِ غالب ہے کہ اُنھوں نے (غالبؔ نے) تفتہؔ کو پہلا اُردو خط ۱۰ر فروری ۱۸۴۹ء اور جولائی ۱۸۵۰ء کے درمیان کسی تاریخ کو لکھا ہوگا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ وہ ۱۸۴۹ء میں اُردو میں لکھنا شروع کر چکے تھے۔" [۱]

نادراتِ غالبؔ کے مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غالبؔ نے اردو خطوط نویسی شاید ۱۸۴۸ء کے اوائل میں شروع کی۔ کیونکہ اس مجموعہ کا سب سے پہلا خط فارسی کا ہے جو ۲۱ر فروری ۱۸۴۸ء کو لکھا گیا۔ دوسرا خط اُردو کا ہے اور اس کی تاریخ تحریر ۹ مارچ ۱۸۴۸ء ہے۔ اس خط میں غالبؔ نے اس امر پر کوئی روشنی نہیں ڈالی کہ اُنھوں نے فارسی کی بجائے

---

[۱] غالبؔ کے اردو خطوط نویسی کے آغاز کی تاریخ۔ مالک رام : جامعہ (فروری ۱۹۴۲ء ص ۹۵-۱۰۰)

اُردو میں کیوں خط لکھنا شروع کیا۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ غالبؔ نے منشی نبی بخش حقیر کو اس سے پہلے بھی اُردو خط لکھا ہوگا جس میں اُردو میں خط لکھنے کی وجہ بتائی ہوگی۔ چونکہ ۲۱ فروری ۱۸۴۸ء کو فارسی ہی میں لکھا تھا اس لئے ممکن ہے کہ اس مہینے کے آخر میں اُردو کا پہلا خط لکھا گیا ہوگا۔

## خطوطِ غالبؔ

غلام رسول مہرؔ نے عودِ ہندی اور اُردوئے معلیٰ کے تمام خطوط دو جلدوں میں مرتب کئے ہیں۔ ہر مکتوب الیہ کے مختصر حالاتِ زندگی بھی لکھے ہیں۔ بعض خطوط پر حواشی بھی دیے گئے ہیں۔ جن سے مجموعے کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔ خطوطِ غالبؔ کی یہ دونوں جلدیں ۱۹۵۱ء میں کتاب منزل لاہور سے شائع ہوئیں۔

## غالبؔ کی نادر تحریریں

دوستوں اور شاگردوں وغیرہ کو خط لکھتے رہنا غالبؔ کا دلچسپ مشغلہ تھا۔ خاص طور پہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب دہلی میں ان کے احباب اور تلامذہ کی تعداد بہت کم رہ گئی تو وہ بزم آرائیوں کا لطف خطوط سے لینے لگے۔ غالبؔ اُردو کے واحد شاعر ہیں جن کے خطوط کے اتنے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اُن خطوط کی تعداد کا تو اندازہ بھی نہیں ہو سکتا، جو دستبردِ زمانہ کی نذر ہو گئے۔ غالبؔ کی وفات سے اب تک مختلف رسالوں میں اُن کے خطوط شائع ہوتے رہے ہیں۔ میں نے کوشش کی ہے کہ ان تمام موتیوں کو جو لگ بھگ سو سال کے جریدوں میں بکھرے پڑے ہیں ایک لڑی میں پرو دوں۔ اس مجموعے میں وہ تمام خطوط شامل کیے گئے ہیں، جو غالبؔ کے کسی مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔ البتہ دو تین خطوط ایسے بھی ہیں جو خطوطِ غالبؔ مرتبہ مولوی مہیش پرشاد اور خطوطِ غالب مرتبہ غلام رسول مہر میں آگئے ہیں۔ ان خطوط کو چند مصلحتوں کی وجہ سے اس مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔

اس مجموعے کے بعض خطوط پر مکتوب الیہ کا نام نہیں تھا۔ اگر خط کے مضمون سے مکتوب الیہ کا نام معلوم ہو گیا تو اُسے قوسین میں دے دیا گیا ہے۔ اور حواشی میں اس کے لئے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ کچھ خطوط ایسے بھی ہیں جن پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ اگر خط کے مواد سے تاریخ یا سنہ کا اندازہ ہو گیا ہے تو اُسے قوسین میں دے دیا گیا ہے۔ جو خطوط بالکل ادبی ہیں اور جن کی تاریخ تحریر کا بالکل اندازہ نہیں ہو سکا اُنھیں آخر میں مرتب کیا گیا ہے۔

تمام خطوط کو تاریخ وار ترتیب دیا ہے۔ ایسا کرنے میں ایک مشکل یہ درپیش آئی کہ بعض لوگوں کے نام کے خطوط بکھر گئے ہیں۔

ہر خط کے آخر میں اس کا ماخذ بتایا گیا ہے۔ خط سے متعلق دوسرے حواشی بالکل آخر میں ملاحظہ ہوں۔

آخر میں اُن تمام دوستوں کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جن کی نوازشوں سے مجھے غالب کے بہت سے خطوط اور تحریریں ملیں۔ اور جن کے مشوروں نے اِس کتاب کو بہتر بنانے میں میری مدد کی۔ خاص طور پر اکبر علی خاں، نثار احمد فاروقی اور اسلم پرویز کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

خلیق انجم

۳۰ ستمبر ۱۹۶۰ء

# خطوط

# بنام عبدالحق[1]

جناب عالی یہ خط فتحپور سے آپ کے نام آیا ہے میں اس وقت حاضر نہ ہو سکا۔ خط پہنچتا ہے اس کو ملاحظہ کر کے جب اس کا جواب مجھ کو دیجیے گا۔ تو میں فتحپور کو روانہ کر دوں گا۔

شادی بادشاہ کے فرزند ارجمند[2] کی اور بزم گاہ دیوانِ خاص' رقعہ لکھے جائیں گے صمصام الدولہ[3] کی طرف سے، صمصام الدولہ امیر ہیں۔ اور امرا باہمد گر طریقہ فروتنی کا مسلوک رکھتے ہیں یعنی تشریف لایے اور ہم کو ممنون کیجیے۔ پس اب میں رقعے کی عبارت میں کیا الفاظ صرف کروں۔ تشریف شریف اور قدوم میمنت لزوم کو دیوانِ خاص سے مباعدتِ محض اور پھر داعی صمصام الدولہ' اگر شاہزادہ اور دیوان خاص کے لائق الفاظ لکھے جاویں۔ تو حضرات مکتوب الیہ برا مانیں گے۔ کہ ہم کو صمصام الدولہ نے کیا لکھا ہے اور اگر متواضعانہ عبارت لکھی جاوے تو کسرِ شانِ سلطنت ہے۔ اب آپ مجھ کو ہدایت کیجیے کہ نگارش کا کیا انداز ہو۔ والسلام

اسداللہ (قبل ۱۸۵۷ء)[4]

---

[1] غالب کا یہ خط ادارہ رسالۂ اردو (اپریل ۱۹۴۲ء ص/ ۱۵۱-۱۵۲) نے بغیر کسی حوالے کے شائع کیا تھا۔ ہمایوں۔ لاہور (جولائی ۱۹۴۲ء ص/ ۳۳۸) میں بھی یہ خط نقل ہوا ہے۔

## بنام نواب انوار الدولہ سعد الدین خان بہادر شفقؔ[1]

پیر و مرشد کیا حکم ہوتا ہے احمق بن کر چپ ہو رہوں یا جواز روئے کشف یقینی مجھ پر حالی ہوا ہے وہ کہوں۔ اوّل رجب میں نوازش نامہ آپ نے کب بھیجا آخر میرے پاس پہنچ ہی گیا۔ یہ جواب بھیجا اگر روانہ ہوا ہوتا تو وہ بھی پہنچ گیا ہوتا بہرحال محبت کی گرمی ہنگامہ ہے۔ یہ جملہ محض آرائش عنوان نامہ ہے۔ عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است پنشنداروں کا اجرائے پنشن اور اہلِ شہر کی آبادی مسکن یہاں اس صورت پر نہیں ہے۔ جیسی اور کہیں ہے۔ اور جگہ سیاست ہی منجملہ ضروریات ریاست ہے۔ یہاں قہر الٰہی ہے۔ منشاء تباہی ہے۔ خاص میری پنشن کے باب میں گورنمنٹ سے رپوٹ طلب ہوئی ہے۔ ابنائے روزگار حیران ہیں۔ یہ بھی ایک بات عجب ہوئی ہے۔ رپوٹ کی روانگی کی دیر ہے۔ چند روز اور بھی قسمت کا پھیر ہے۔ دلی علاقہ لفٹیننٹ گورنر سے انقطاع پا گئی اور احاطۂ پنجاب کے تحت حکومت آ گئی۔ رپوٹ یہاں سے لاہور اور لاہور سے کلکتہ جائے گی۔ اور اسی طرح پھیر کھا کر نویدِ حکم منظوری آئے گی۔ فعل لازم کو جب متعدی کیا چاہیے تو پہلے مضارع میں سے مصدر بنا لیا چاہیے۔ گشتن مصدر اصلی گردد مضارع گردیدن مصدر مضارعی گرداندن و گردانیدن' مصدر متعدی موافق اس قاعدہ کے کردن کا متعدی کناندن و کنانیدن ہے نہ کراندن۔ کراندن تو کرانے کی فارسی ہے جیسے چلنے کی فارسی چلیدن اور یہ شوخیٔ طبع و ظرافت ہے نہ اس میں صحت ہے۔ نہ لطافت ہے۔ کراندن غلط اور کنانیدن صحیح، گشتن کو گشتاندن اور رستن کو رستاندن نہ کہیں گے۔ بلکہ گردیدن و رویدن بنا کر گرداندن و رویاندن لکھیں گے۔ بلغا کے کلام میں کردن کا متعدی شاید کہیں نہ آیا ہو۔

اگر آیا ہوگا تو کتانیدن آیا ہوگا۔ کرانیدن ٹکسال باہر ہے ۱۲ تذکیر و تانیث کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ دہی۔ بعض کہتے ہیں دہی اچھا، بعض کہتے ہیں دہی اچھی، قلم، کوئی کہتا ہے، قلم ٹوٹ گیا، کوئی کہتا ہے قلم ٹوٹ گئی، فقیر دہی کو مذکر بولتا ہے اور قلم کو بھی مذکر جانتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، شنگرف بھی مذبذب ہے۔ کوئی مذکر اور کوئی مونث کہتا ہے۔ میں تو شنگرف کو مونث کہوں گا۔ خلاصہ یہ کہ اس ہیچمدان کے نزدیک کردن کا متعدی کتانیدن ہے اور شنگرف مونث ۱۲ خداوند، آئین بندہ پروری بھول نہ جاؤ، گاہ گاہ نامہ و پیام بھیجتے رہو، کیا میں یہ نہیں لکھ سکتا کہ میں نے اس عرصے میں دو خط بھیجے اور آپ نے ایک کا جواب نہیں لکھا۔ ہاں یہ عرض کرتا ہوں کہ آج صبح کو آپ کا خط آیا۔ اِدھر پڑھا اُدھر جواب لکھا۔ سچ یوں ہے کہ ڈاک میں اکثر خطوط تلف ہوتے ہیں۔ بیرنگ پر ضائع ہونے کا گمان کم ہے۔ اس دستور کا بادی اور بانی میں ہوتا ہوں۔ یہ خط بیرنگ بھیجتا ہوں، آپ بھی اب جب کبھی بفرضِ محال خط بھیجئے تو بیرنگ بھیجئے۔ زیادہ حدِ ادب۔

عرضداشت

غالبؔ

نگاشتہ چہارشنبہ سیوم شعبان و نہم مارچ سالِ حال ۱۲۔ [1]

(۱۸۵۸ء)

---

[1] یہ خط بغیر کسی حوالے کے اُردو (جنوری ۱۹۳۴ء ص ر ۱۹۴ - ۱۹۵) میں شائع ہوا تھا۔

# بنام نامعلوم

گمانِ زیست بود بر منت ز بیدردی
بد است مرگ، ولے بدتر از گمانِ تو نیست

مجھے زندہ سمجھتے ہو جو نثر فارسی کی فرمایش کرتے ہو۔ غنیمت نہیں جانتے کہ مردہ کچھ لکھ کر بھیج دیتا ہے۔ پنشن اگرچہ ملے گا پر دیکھیے کب ملے گا۔ اس کے ملنے تک کیا ہوگا۔ اور اس کے ملنے سے میرا کیا کام نکلے گا۔ قطع نظر ان امور سے اس وجہ قلیل کو کس بستی میں بیٹھ کر کھاؤں گا۔ یہ شہر اب شہر نہیں قہر ہے۔ قصیدے کے اشعار ابھی کیوں بھیجو، جب زیب انطباع پا چکے تب ایک نمبر مجھ کو بھی بھیج دینا۔ میں نے بعد توطیہ و تمہید آغاز مئی ۱۸۵۷ء سے اپنی سرگزشت لکھی ہے۔ اور بحیثیت اقتضائے مقام وقائع بھی اس میں درج کئے ہیں۔ شیوہ لزوم مالایلزم مرعی رکھا ہے۔ یعنی عبارت فارسی بے آمیزش لفظ عربی لکھی ہے۔ اور فارسی بھی وہ فارسی قدیم کہ جس کا پارس کے بلاد میں بھی نشان نہیں تا بہندوستان چہ رسد۔ چالیس صفحہ لکھ چکا ہوں۔ اتمام میں انتظار یہی ہے کہ پنشن کا مقدمہ طے ہو چکے۔ ملے یا جواب ملے۔ اور میں بہر حال کسی جگہ اقامت گزین ہولوں، ہاں اس کے وقوع تک جو کچھ قابلِ تحریر جوانب اجانب سے معلوم ہو گا۔ وہ ناچار لکھ دوں گا۔ یہاں کوئی چھاپہ خانہ نہیں ہے۔ اگر اجازت دوگے تو بعد اختتام ان اوراق کو تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ تاکہ ہزار جلد منطبع ہو کر اُجڑے ہوئے قلمروِ ہند میں پھیل جائیں۔

نگر صاحبدلے روزے بہ رحمت
کُنُد در حق ایں مسکین دعائے

شیر زماں خاں اپنے باپ کی رہائی کی فکر میں میرٹھ گئے ہیں۔ کس واسطے کہ وہ غریب یہاں کی حوالات میں سے تحقیقات کے لئے وہاں بھیجا گیا۔

غالبؔ بے نوا
یکشنبہ ۱۸ر جولائی ۱۸۵۸ء [۱]

---

[۱] صفدر مرزاپوری لکھتے ہیں کہ یہ خط پہلی بار رسالہ تصویرِ جذبات (فروری ۱۹۲۴ء) میں شائع ہوا تھا۔ رسالے کے ایڈیٹر سید احمد عزیز کیفی کا بیان ہے کہ یہ خط اُن کے جدِ امجد کے نام ہے۔ مگر کیفیؔ نے جدِ امجد کا نام نہیں لکھا۔ صفدر صاحب نے یہ خط مرقع ادب (جلد دوم ص ۲۴ - ۲۵) میں نقل کیا ہے۔

## بنام مہاراجہ سرور سنگھ والئی بیکانیر

بحضور والا فرالسرور جناب سری مہاراجہ صاحب والا

مناقب عالیشان قلزم فیض و احسان دام اقبالہٗ و زاد افضالہٗ۔ لوازم نیاز و تسلیم!

از روئے مودت و ارادت بجا می آرد۔ و مطالب و مقاصد را بزبان اُردو عرضہ میدارد۔ یہ گوشہ نشین سرکار فیض آثار انگریزی کا بعوض جاگیر پنشن دار اور گورنمنٹ کے دربار میں سات پارچہ اور تین رقم خلعت پانے والا اور حضرت قدر قدرت ملکہ معظمہ دوراں کا مداح اور بقلم وزرائے شاہنشاہی سارٹی فکٹ خوشنودی کا پائے ہوئے ہے۔ دریں ولا منشی کشوری لال صاحب نے کہ وہ میرے دوست اور حضور کے خیر خواہ ہیں۔ مجھ پر مسودہ عرضداشت اور سکہ حضور کی فرمائش کی ہیں حضور کی خدمت بجالانے کو اپنا فخر و سعادت سمجھتا ہوں اور عرضداشت کا مسودہ اس نیاز نامہ میں ملفوف بھیج کر یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ مسودہ پسند نہ آئے تو یہ کاغذ مجھ کو واپس مل جائے۔ اور اگر اسی مسودہ کے موافق عرضداشت لکھی منظور ہو تو میرا بھیجا ہوا یہ مسودہ کہ بہ مہر و تخط میرے ہے دفتر میں رہے اور حرف بحرف مطابق اس کے عرضداشت لکھی جائے میرے لکھے ہوئے فقروں میں اور فقرے داخل نہ کیے جائیں اور کوئی لفظ بدلا نہ جائے۔ اسم مبارک کے سکہ کے باب میں عرض یہ ہے کہ اگر سنہ جلوس اس کو قرار دیجیے کہ ہندوستان میں بادشاہی عملداری ہوئی تو یہ بات نامناسب ہے۔ کیا وہ اس سے پہلے بادشاہ نہ تھیں۔ اور اگر وہ سال منظور رکھیے کہ جس سال سے ولایت میں تخت پر بیٹھی ہیں تو یہ تکلف محض ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دو سن لکھے جائیں ایک از روئے اطاعت ۱۸۵۹ء اور ایک موافق رواج ملک و ملت۔ سمبت ۱۹۱۵۔ سکہ مبارک کے تین نقشے بھیجتا ہوں۔ دو مع تصویر اور اس میں سکہ منظوم یعنی ایک شعر جیسا کہ سلاطین ماضی کا ہر ملک میں دستور ہے۔ اور ایک نثر۔ ان نقشوں میں سے جو نقشہ سری مہاراج کی پسند آئے وہ حضور کو

مبارک ہو۔ اب نیاز مند اس عنایت کا متوقع ہے کہ آئندہ میں راج کا متوسل اور سری مہاراج کا دولت خواہ اور دعاگو گنا جاؤں گا اور جو کام میرے لائق ہو بے تکلف اس کے سرانجام کا مجھ کو حکم ہوا کرے۔ زیادہ حد ادب۔ بہارستانِ جاہ و جلال بےخزاں و بہار دولت و اقبال جاوداں باد۔

نیاز نامۂ اسد اللہ خاں شاعر غالبؔ تخلص
نگاشتہ، پنجم جنوری ۱۸۵۹ء

خان بہادر نظام جنگ
نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ
۱۲۶۷ھ
[1]
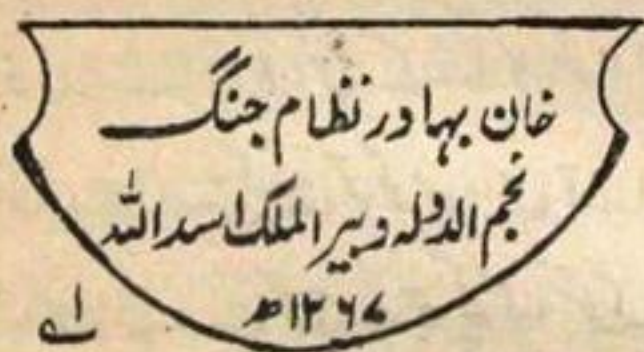
[1] یہ خط اطہر ہاپوڑی صاحب نے "غالب کا ایک غیر مطبوعہ خط" کے عنوان آجکل (۱۵ فروری ۱۹۴۷ء ص ۱۰) میں شائع کیا تھا۔ خط کا عکس بھی اسی شمارے میں شامل ہے۔

## بنام منشی سخاوت حسین[1]

مشفقی مکرمی منشی سخاوت حسین صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ۔ سبحان اللہ آپ کے خط کا جواب نہ لکھوں۔ اپنے کو نفریں کروں، اگر شتاب نہ لکھوں۔ اس وقت ڈاک کے ہرکارے نے تمہارا خط دیا۔ اِدھر پڑھا اُدھر جواب لکھنے کا قصد کیا۔ میں ایک شخص گوشہ نشیں فلک زدہ اندوہ گیں نہ اہلِ دنیا نہ اہلِ دین مجھ سے نکمے آدمی کا جو کوئی مشتاق ہو اُس کے خط کا لکھنا کیوں مجھ پر شاق ہو۔ ظاہرا تم خود مجمعِ حسن اخلاق ہو، ورنہ کیوں تم کو میرا اس قدر اشتیاق ہو۔ ہاں ایک بری بھلی شاعری اُس کا حال یہ ہے کہ آگے جو کچھ کہا سو کہا اب شاعر بھی نہیں رہا۔ بہرحال تمہاری فقیر نوازی کا شکر گذار اور طالب دیدار ہوں۔

نجات کا طالب

چاشتگاہ دوشنبہ ۴ فروری ۱۸۶۱ء

---

[1] یہ خط پہلی بار "سراج سخن" شاہجہانپور کے فروری ۱۸۹۴ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ یہاں فرخ جلالی کے ایک مضمون "ہوش بدایونی کے نام غالب کا ایک غیر معروف خط" آجکل فروری ۱۹۶۰ء ص ۴۳-۴۴ سے نقل کیا جاتا ہے۔ "سراج سخن" کا شمارہ جناب ویریندر پرشاد سکسینہ کے پاس موجود ہے۔

## بنام صفیر بلگرامی

مخدوم زادۂ مرتضوی دودمانِ سعادت و اقبال توامان مولوی سید فرزند احمد صاحب کو فقیر غالبؔ کی دعا پہنچے۔ میں نے جو استصلاح اشعار میں اِمتثال اَمر کیا ہے تو اِس واقعہ کو یوں سمجھ لیا ہے کہ میں امیرالمومنین کا بوڑھا غلام ہوں۔ امیرؑ نے اپنی اولاد میں سے ایک صاحبزادہ میرے سپرد کیا ہے کہ تو اس کے کلام کو دیکھ لیا کر۔ ورنہ میں کہاں اور یہ ریاضت کہاں؟[1] غالب (اپنے نانا[2] صاحب کی خدمت میں میری بندگی عرض کیجیے گا۔ اگرچہ حضرت میرے ہم عصر ہیں مگر ان کے ابوالآبا کا غلام ہو کر سلام کیا لکھوں، مجھ کو ارادت میں اُن سے نسبت اویسی ہے اور محبت بھی بے تکلف ویسی ہے جیسی اس معنوی نسبت میں چاہیے۔

نجات کا طالب غالبؔ

۱۲ یوم الخمیس پنجم ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ

---

یہ خط [نگار جولائی ۵۲ء ص/ ۲۶] سے نقل کیا گیا۔ ملاحظہ ہو فٹ نوٹ ص/ ۵۲

## بنام محمد حسین خاں[1]

جناب محمد حسین خاں کو میرا سلام پہنچے۔ دو رات دن کی محنت میں میں نے اس نسخہ کو صحیح کیا ہے۔ غلط نامہ بھی اِسی میں درج کر دیا ہے۔ گویا اب غلط نامہ بیکارِ محض ہو گیا ہے۔ خاتمہ کی عبارت کیا میرا بیان کیا میر قمرالدین کا اظہار اب کچھ ضرور نہیں۔ کس واسطے کہ اب یہ کتاب اور مطبع میں چھاپی جائے گی۔ یہ مجلّد گویا مسودہ ہے۔ اِسی کو بھیج دیجیے۔ غالب[۱][۳] ؎

(اواخر ۱۸۶۱ء)[۳]

---

؎ غالب نے اپنے دیوان (تیسرے ایڈیشن) کے آخری صفحہ پر حاشیہ میں یہ خط اپنے قلم سے لکھا ہے۔ یہ دیوان ۱۲۷۸ھ میں مطبع احمدی میں چھپا تھا۔ اور یہ نسخہ آصفیہ لائبریری حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے ہندوستانی (۱۹۳۴ء ص ۹۷/ ۹۸) میں نقل کیا ہے۔ یہاں غالب کے اصل خط سے نقل کیا گیا۔

# بنام مولوی ضیاء الدین خاں ضیا[1]

بخدمت مولوی صاحب معظم، مسلم علمائے عرب و عجم، مولوی ضیاء الدین خاں صاحب "ضیاء" دہلوی بنیرہ نواب سابق لسبئ دارا پور۔

جناب مولوی صاحب، میں نے ایامِ دبستاں نشینی میں "شرح مائۃ عامل" تک پڑھا۔ بعد اس کے لہو ولعب اور آگے بڑھ کر فسق و فجور و عیش و طرب میں منہمک ہوگیا۔ فارسی زبان سے لگاؤ اور شعر و سخن کا ذوق فطری و طبعی تھا۔ ناگاہ ایک شخص وارد ہوا[2] کہ ساسان پنجم کی نسل میں سے معہذا منطق و فلسفہ میں مولوی فضل حق[3] مرحوم کا نظیر اور مومن موحد وصوفی صافی تھا۔[4] میرے شہر میں وارد ہوا۔ اور لطائف فارسی بحت[5] اور غوامض فارسی آمیختہ بہ عربی اُس سے میرے حالی ہوے۔ سونا کسوٹی[6] پر چڑھ گیا۔ ذہن معوج نہ تھا، زبان دری سے پیوند ازلی اور استادِ بے مبالغہ جاماسپ عہد و بزرجمہر عصر تھا۔ حقیقت اس زبان کی دل نشین و خاطر نشاں ہوگئی۔ ۱۲

اہلِ پارس جو قدم عالم کے قائل ہیں وہ مثل ہنود کے آفرینش عالم کا آغاز و انجام دسر و بن نہیں بتاتے۔ ہمارے مذہب کے موافق بھی کیومرث

وغیرہم کی سلطنت کو دو چار ہزار برس سے کم نہ گزرے ہوں گے۔ تاظہاور نجوم اور طب اور فقہ اور انشاء اور انشاد کون سا علم اور کون فن ہوگا۔ جو اس گروہ میں نہ ہوگا۔ سکندر جب ایران پر مسلط ہوا تو ارسطو نے کتاب خانۂ دارآسے بہت سے علوم یونانی زبان میں نقل کئے۔ اللہ اللہ۔ اُس گروہ کو دیکھئے جن کا کلام علم حکمت میں حکمائے یونان کا ماخذ ہو۔ اگر ابو علی سینا قابوس وشمگیر کے کتاب خانے سے کتب حکمائے یونانیہ لے کر مطالب حکمی کو زبان عرب میں نقل نہ کرتا تو اکابرِ عرب میں سوائے مسائل فقیہہ شرعیہ علم معقول کا نشان نہ پایا جاتا۔ ۱۲

دو تین ہزار برس قبل آج سے، کہ عرب وعجم بیگانۂ ہمد گر تھے۔ اہلِ پارس اپنے مطالب علم بلکہ علوم متنوعہ کو کس زبان میں شرح کیا کرتے تھے۔ اور تعلیم وتعلم وسوال وجواب کا مدار کن الفاظ پر ہوگا؟ بے شبہ وہ الفاظ پارسی ہوں گے۔ جب خلیفۂ ثانیؓ کے عہد میں یزدجرد مارا گیا۔ اور پارس پر اعراب مسلط ہوئے۔ درفشِ کاویانی کا جواہر آمود چمڑہ پارہ پارہ ہو کر غازیانِ اسلام پر بٹ گیا۔ کتاب خانے پارس کے، کیا بادشاہی اور کیا امرا اور رعایا کے چولھے میں جھونکے گئے۔ یعنی اُن سے حمام گرم ہوئے۔ جیسا کہ میں نے ایک جگہ اس واقعہ کو فارسی عبارت میں لکھا ہے۔ وہی ہذا:۔

کتاب خانہائے پارسیاں افروزینہ گلخن گرمابہ ہائے
بغداد شد، ہمانا احکام آتش پرستی ہم بہ آتش بازگشت۔

اگرچہ بلاغت خاص اہلِ عرب کے حصے میں آئی ہے۔ لیکن فصاحت میں اہلِ پارس بھی اعراب کے شریک ہیں۔ بالجملہ اعیانِ عجم وبلغائے عرب میں امتزاج واختلاط ومہر ومحبت وقربِ قرابت پیدا ہوئی۔ اختلاف

مذہب اُٹھ گیا تھا۔ امورِ ریاست و سیاست بصلاح و صوابدید فریقین ہونے لگے تھے۔ طبیعتیں تھیں دراک، فارسی و عربی کو باہم ربط دے کر ایک اردو پیدا کیا۔ سبحان اللہ وہ زبان نکلی کہ نہ نری فارسی میں وہ مزا، نہ نری عربی میں وہ ذوق۔ زبان فارسی کے قواعد کے کتب خاکستر ہو گئے تھے اُس پر طرّہ یہ کہ عربی کے قواعد کے بڑے بڑے جلیل القدر رسالے مرتب ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے۔ بیچارہ فارسی زبان، غریب الوطن، بے سر و سامان، نہ اس کی کوئی فرہنگ، نہ اس کے قوانین کا کوئی رسالہ، نہ علمِ پارسی کا کوئی عالم باقی، دو چار ہزار لغت و اسم و فعل زباں زدِ اہلِ عصر ہوں گے۔ فارسی کا صرف کہاں؟ فارسی کا نحو کہاں؟ فارسی زبان اعراب کی لونڈی، جو چاہا نام رکھ دیا۔ "ضوء النہار" کہہ کر پکارا، "شمس النہار" کہہ کر یاد کیا۔ "او لونڈی" "اری چھوکری" کہہ کر بلا لیا۔ سو بھی جو اکابر فریقین موجد اردو زبان ہوئے تھے۔ وہ تسمیہ قواعدِ فارسی کی طرف متوجہ نہیں ہوئے۔ سنہ ۸۰۰ یا سنہ ۹۰۰ ہجری میں ہوسناک لوگ فارسی کی فرہنگ لکھنے پر متوجہ ہوئے۔ نہ ایک نہ دو بلکہ ہزار دو ہزار فرہنگیں فراہم ہو گئیں۔ یہاں تک کہ قتیل نومسلم لکھنوی اور ملّا غیاث الدین ملائے مکتب دار رامپوری اور کوئی روشن علی جونپوری اور کہاں تک کہوں کون کون ...... جس کے جی میں آئی وہ متصدی تحریر قواعدِ انشاء ہو گیا۔ میں ان سب کو یا ان میں سے مختص فلاں و بہمان کو اپنا مطاع کیوں کر جانوں اور کس دلیل سے اُن کے حکم کو مانوں؟ ۱۲

پارسیانِ سابق جو جانتے نہ تھے کہ فاعل کس کو کہتے ہیں اور جمع کس مرحلے کا نام ہے۔ امر کا صیغہ کون جانور ہے اور اسم جامد کس

قسم کے پتھر کو کہتے ہیں۔ انھوں نے کبھی نہ کہا ہوگا کہ "دانا" و "بینا" صیغۂ اسم فاعل اور "نالاں" و "گریاں" صیغۂ فاعل یا حالیہ ہے۔ ایک جماعت نے کہہ دیا کہ الف نون افادۂ معنیٔ فاعلیت کرتا ہے۔ ایک صف پکار اٹھی کہ الف نون حالیہ ہے۔ خدا جانے اہلِ پارس صیغۂ امر کو اپنی زبان میں کیا کہتے ہوں گے اور الف فاعل کا اُن کی لسان میں کیا نام ہوگا۔ آخر یہ فن امورِ دینی میں سے تو نہیں ہے۔ کہ جو امام اعظم کے قول کو نہ مانے وہ مرتد ہے۔ قوتِ قیاس کا مادہ اوروں میں تھا۔ ہم کو مبداءِ فیاض سے یہ قوت عطا نہیں ہوئی اور پھر الف نون حالیہ کے وجود کے اعتراف میں میں ہی منفرد نہیں ہوں۔ بقول تمہارے اور اشخاص بھی ہیں۔ سوال اسی قدر ہے کہ الف نون حالیہ موجود ہے یا نہیں۔ سائل کا جواب وہیں تمام ہوا جہاں تم نے فرمایا کہ سابقین "افتاں و خیزاں" کے الف نون کو حالیہ لکھ گئے۔ لاحقین نے کہا کہ یہ الف نون فاعل کا ہے۔ خیر ایک تردد اگر پیدا ہوا تو تسمیہ میں پیدا ہوا۔ متاخرین کا قول متقدمین کے کلام کا ناسخ اور الف نون حالیہ کے وجود کا مبطل تو نہیں ہوا۔ بہرحال یہی لکھ دو کہ بعض لوگ اس الف نون کو فاعل کا الف نون بتاتے ہیں اور بعض الف نون حالیہ کہتے ہیں۔ قصہ مختصر۔ کاغذ استفتا مع دستخط حضرات یا بے دستخط کل میرے پاس بھیج دیجیے۔ ۱۲

تھوڑی سی تقریر، اگرچہ خارج از مبحث ہے، لیکن اس واسطے وہ تقریر تحریر میں لاتا ہوں کہ پھر مجھے کچھ لکھنا نہ پڑے۔ اہلِ پارس کے منطق میں "روان" و "دوان" مع نظائر کہ وہ بہت ہیں کسی اسم

کے ساتھ مختص نہیں۔ اہلِ عرب نے بلکہ توبہ توبہ میں اُن کو کیوں متہم کروں۔ فرہنگ نگارانِ ہند نے یہ نام موافق اپنے قیاس کے رکھے۔ ہم افادۂ معنیٔ فاعلیت لینے والوں کے قیاس کو نہیں مانتے الف نون حالیہ کہنے والوں کی ہم نے مطابقت رائے کی ہے۔ فارسی میں اسم فاعل دو صورت پر ہے۔ یا "گوینده" یا "گویا" صیغۂ ہائے امر کے مابعد جو الف نون ہے وہ حالیہ ہے۔ ہاں فعل کا ایک توہم سا گزرتا ہے۔ سو اگر بہ امعان نظر دیکھیے تو ویسا ہی ایک وہم مفعولیت کا بھی پایا جاتا ہے۔ پس نظر اس بات پر کہ فاعلیت کی حالت اور مفعولیت کی حالت معاً پائی جاتی ہے۔ یہ الف نون حالیہ ہے اور اپنے وجود کے اثبات میں قواعد نحویۂ عربیہ کا محتاج نہیں۔ خاص "افتادن" میں دیکھو کہ نہ "افتنده" مستعمل ہے مثل "گوینده" نہ "افتا" مسموع و موجود ہے۔ مثل "گویا" "افتاں" صیغۂ فاعل کہاں سے آگیا؟ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ "افتاں" کو ہم اسم فاعل جب مانتے کہ "افت" "بیفت" بمعنی امر اہل زباں کی، یعنی جو مالک، ملکۂ اردوئے فارسی و عربی ہیں۔ اُن کی نظم و نثر میں آیا ہوتا۔ اصل مادہ "افتاں" جو "افت" ہے موجود ہی نہیں۔ "افتاں" کہاں سے بمعنی فاعل نکل آیا؟ مگر ہاں گرنے کی حالت جس پر طاری ہو وہ "افتاں" ہے۔ ازروئے حالت نہ بحسب فعل "میرنده" کہو "مردن" میں سے کیوں نہ بنایا؟ صیغۂ فاعل متروک رہا۔ صرف صیغۂ مفعول یعنی "مرده" پر قناعت کی۔ اور یہ جو قبلۂ اہلِ سخن فردوسی طوسی علیہ الرحمۃ کے ہاں آیا ہے۔

"ممیراں" کے را د ہرگز "ممیر"

مجاز ہے امر بھی اور قعدیہ بھی۔ متاخرین میں سے بھی عبدالقادر بیدلؔ کہتا ہے :-

"بمیر" اے مرکشِ ناپاک ! تا یکدم بیاسائی

بلکہ اردو میں بھی گمراں جان آدمی کو کہتے ہیں ۔۔۔۔ ابے فلاں کے فلاں ! مرچک سوداؔ کہتا ہے :-

جیتا رہے گا کب تلک، اے خضرؔ! مر کہیں

یہ سب بطریق مجاز ہے۔ خلاصہ یہ کہ الف نون فاعل نہ فارسی بحت میں تھا نہ فارسی آمیختہ بہ عربی میں ہے۔ قیاس کو میں مانتا نہیں۔ الف نون جہاں اسماء جامد کے آگے ہے۔ جمع کا ہے اور جہاں صیغۂ ہائے امر کے آگے ہے حالیہ ہے۔ والسلام بالوف الاحترام۔ پہلا رقعہ بعد پڑھنے کے یا نقل لینے کے، استفتا کے کاغذ کے ساتھ مجھ کو واپس مل جائے۔

نجات کا طالب

غالبؔ ۱۲

| مہر |
| --- |
| ۱۲۷۸ھ |

(۱۸۶۱ء)

---

یہ خط "کچھ اور بکھرے ورق" از ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے تحت ہندوستانی (۱۹۴۳ء ص ۹۸-۱۰۵) میں شائع ہوا تھا۔ صدیقی صاحب نے بغیر کسی حوالے کے یہ خط نقل کیا ہے۔

## بنام قاضی نورالدین حسین فائق

مخدوم مکرم حضرت قاضی محمد نورالدین حسین خاں بہادر کی خدمت میں عرض ہے کہ برخوردار مرزا شہاب الدین[2] خاں بہادر نے یہ اجزا[3] مجھ کو دیئے۔ نظم سے میں نے بالکل قطع نظر کی۔ کامل صاحب کی یہ نثر جو آغاز میں ہے اس کو بھی نہیں دیکھا۔ صرف آپ کی نثر کو دیکھا۔ اور اس کو موافق حکم آپ کے بعض جا درست کر دیا بعض موقع پر منشار اصلاح لکھ دیا ہے۔ مجھ کو یہ پایہ نہیں کہ آپ کی نثر میں دخل کروں بمغوائے الامر فوق الادب حکم بجا لایا ہوں۔ مرحبا آفریں بخدا خوب نثر لکھی ہے۔ اللہ سبحانہ آپ کو مدارجِ اعلیٰ کو پہنچا دے اور سلامت رکھے۔ مرقوم دوشنبہ جولائی ۱۸۶۲ عیسوی

خوشنودی احباب کا طالب

غالب [1]

---

[1] تذکرہ مخزنِ شعرا

## بنام نواب امین الدین احمد خاں[1]

بھائی سے دو سوال ہیں۔ ایک تو یہ کہ مجموعہ نثر کے خاتمے کو کیا کروں۔ وہ مبنی تھا۔ اس حقیقت پر کہ نول کشور نواب ضیاء الدین خاں[2] سے واسطے انطباع کے لے گیا۔ جب یہ واقع نہ ہوا تو اب اس کو نکال ڈالوں۔ اور اس کی جو کمی نثریں اور ہیں وہ لکھ دوں۔

اوراق اشعار مرحومی زین العابدین خاں[3] سے مستعار ہیں۔ اس واسطے کہ تم اپنے ہاں کے مجموعے کی تصحیح اس سے کر لو۔ پھر یہ امر واقع ہوا یا ہونے والا ہے۔

ترجمۂ ابوالفدائی جلد واپس پہنچنی ہے۔

جواب کا طالب

غالب

(۱۸۶۲ء)[4]

---

نقوش مکاتیب نمبر (جلد ا ص ۱۰۷) سے لیا گیا۔ اس خط پر مکتوب الیہ کا نام نہیں ہے۔ مختار الدین احمد آرزو کا خیال ہے کہ یہ خط نواب امین الدین احمد خاں کے نام ہے اور اس کا زمانہ تحریر ۱۲۸۰ھ ہے۔ (نقوش مکاتیب نمبر۔ جلد ا ص ۱۰۷)

## بنام منشی نولکشور[1]

منشی صاحب جمیل المناقب جناب منشی نولکشور صاحب کو دولت و اقبال و جاہ و جلال روز افزوں نصیب ہو۔ چونکہ احباب کامیابی و شادکامی احباب سے شاد ہوتے ہیں۔ اس واسطے مجھے ان دنوں میں یاوری اقبال سے ایک امر خوشی کا پیش آیا ہے۔ تو آپ کی خوشی کے واسطے آپ کو لکھتا ہوں، بلکہ نظر بہ مدگر کے اتحاد پر تم کو تہنیت دیتا ہوں۔ آپ کو مبارک ہو کہ آخر ماہ گذشتہ کو جو حضرت فلک رفعت نواب معلی الالقاب جناب لفٹیننٹ گورنر بہادر قلمرو پنجاب دہلی میں تشریف لائے تو سہ شنبہ کے دن ۳ مارچ ۱۸۶۳ء حال کو اس گمنام گوشہ نشین کو یاد فرمایا[2]۔ اور از راہ بندہ پروری کمال عنایت سے خلعت عطا کیا۔ سبحان اللہ جو لوگ متعلق ہیں لفٹیننٹ گورنر پنجاب سے وہ قسمتوں کے کیسے اچھے ہیں جناب نواب معلی الالقاب کے مکارم اخلاق وہ روح فزا کہ جس سے مردہ زندہ ہو جائے صاحب والا مناقب تامس ڈگلس فورسائیڈ صاحب بہادر سکرتر کے کلمات شفقت آمیز۔ وہ رواں آسا کہ جس کو سن کر بیمار شفا پائے۔ ہیں۔۔۔۔۔ (کرم خوردہ)۔۔۔۔ شادماں آیا۔ بلکہ بوڑھا گیا جوان آیا۔ سچ ہے۔

وزیرے چنیں شہر یارے چناں
جہاں چوں نگیرد قرارے چناں

۔۔۔۔ (کرم خوردہ)۔۔۔۔ لفٹیننٹ گورنر بہادر اور صاحب سکرتر بہادر کا کیا کہنا ہے۔۔۔۔ (کرم خوردہ)۔۔۔۔ آفتاب و ماہتاب ہیں مگر بندۂ ت

من پھول سنگھ صاحب میر منشی بھی دیانت و امانت و کار پردازی و مظلوم نوازی میں انتخاب ہیں۔ یہ نہ مبالغہ ہے نہ خوشامد ہے۔ بیان واقعی ہے۔ شاعرانہ سخن سازی کو میں نے دخل نہیں دیا۔ وہ لکھا ہے جو سچ اور واجبی ہے۔ فقط

دوام دولت سرکار انگریزی کا طالب

رنجور ناتواں اسداللہ خاں غالبؔ [1]

(مارچ ۱۸۶۳ء)

---

[1] یہ خط پہلی بار اودھ اخبار (۲۵ مارچ ۱۸۶۳ء ص ۲۱۷) میں چھپا تھا۔ یہاں "غالبؔ کے ایک اور خط کا انکشاف"، مرتضیٰ حسین۔ نگار جون ۱۹۵۰ ص ۹-۳۸ سے نقل کیا گیا ہے۔

## بنام صفیر بلگرامی

مخدوم مکرم سید فرزند احمد صاحب کو سلام پہنچے۔ مجھ کو حضرت برجیس فطرت جناب حضرت صاحب عالم صاحب سے نسبتِ اویسی ہے، غائبان حاضر کی فہرست میں پہلے میرا نام مرقوم ہے۔ آپ کی طرزِ نگارش نظماً و نثراً درخشندگی جوہرِ طبع سے خبر دیتی ہے۔ اگر آپ کی طرف سے استصلاح کا کلمہ درمیان نہ آتا تو میں فضولی نہ کرتا۔ باوجود خواہش خدمت کیوں نہ بجا لاؤں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری معلومات آپ پر مجہول نہ رہیں مجموع ایک ورق میں کیوں کر گنجائش پائیں۔ ناگزیر جو اس نظم و نثر میں ہے اس کو عرض کرتا ہوں۔

"بسر در آوردن" مخل معنی۔ "در آوردن" کافی، "شور در سر انگیختن" ٹکسالی "از سر انگیختن" مناسب "نہ بر انگیزد" و "نہ بر خیزد" فارسی ہند "بر نہ خیزد" و "بر نمیگیزد" فارسی عجم "بر" لفظ زائد۔ اور نون مقید معنی نفی۔ لفظ زاید "نا" قبل کلمہ چاہیے "نالہ ہا کہ از دلِ سر بر زدہ اند" یعنی چہ؟ غیر ذوی الروح بلکہ غیر ذوی العقول کی جمع کی خبر بصیغۂ مفرد رسم ہے۔

"پریستان" اصل لغت مخففہ اس کا بہ حذف تحتانی "پرستان" "پری استھان" توہم محض مگر یہ بھی یاد رہے کہ آدم الشعراء رودکی سے فخر المتاخرین شیخ علی حزیں تک کسی کے کلام میں "پریستان" یا "پرستان" دیکھا نہیں۔

حضرت صاحبِ عالم قبلہ کی جناب میں میرا اسلام عرض کیجیے اور کہیے کہ آپ کا عطوفت نامہ اور ساتھ اس کے چودھری صاحب کا مودت نامہ پہونچا۔ دونوں نگارشیں جواب طلب نہ تھیں۔ کل میں نے ایک چھاپے کی کتاب کا پارسل جس کا عنوان "سید فرزند احمد صاحب کے نام کا ہے" ارسال کیا ہے۔ آپ بھی

بہ نظر اصلاح مشاہدہ کیجیے گا۔

ہاں پیر و مرشد! فارسی کے کلیات کو بھی کبھی آپ دیکھتے ہیں یا نہیں بہ قول انشاء اللہ خاں۔

یہ مری عمر بھر کی پونجی ہے

جناب سید فرزند احمد صاحب سے التماس ہے کہ حضرت صاحب کو سلام و پیام پہنچا کر حضرت شاہ عالم صاحب کو اور ان کی اخوان کو اور حضرت مقبول عالم کو میرا سلام کہیئے گا اور جناب چودھری عبدالغفور صاحب کو سلام کہہ کر یہ فرمایئے گا کہ وہ اپنے عم نامدار اور استاذِ عالی مقدار کو میرا سلام کہیں۔ زحمتِ تبلیغ سلام و پیام تقدیم خدمتِ اصلاح کا دست مزد ہے۔ والسلام

نجات کا طالب غالب

یوم الخمیس ذی الحجہ ۱۲ ار مئی سال حال (۱۲۸۰ھ)

---

صفیر بلگرامی کے نام یہ پانچ خط عودِ ہندی اور اردوئے معلیٰ میں نہیں ہیں۔ صفیر نے یہ خطوط اردو شاعروں کے تذکرے جلوۂ خضر (مطبوعہ مطبع نورالانوار ۱۲۹۵ھ) نقل کیے تھے۔ چھ سات سال بعد یہ مرقع فیض میں (مطبوعہ مطبع نورالانوار ۱۳۰۲ھ) نقل کیے گئے۔

نگار (جولائی ۱۹۵۲ء ص/ ۲۵ - ۲۷) میں مختارالدین احمد آرزو نے اور آجکل اگست ۱۹۵۲ء - ص/ ۱۳ - ۱۷) میں قاضی عبدالودود نے اور "مشرب" کراچی مکاتیب نمبر ص/ ۱۳۶۰ - ۱۳۶۵ میں کاظم علی شاد نے بھی یہ خطوط نقل کیے ہیں۔ یہاں یہ خطوط "نگار" سے نقل کیے جاتے ہیں۔ باقی چار خطوط بھی اسی مجموعہ میں شامل ہیں۔

# بنام حکیم محب علی[1]

چہارشنبہ [۱۸ر جنوری)

ہنگام نیمروز

بندہ پرور آپ کی تحریر سے مستنبط ہوتا (ہے کہ آ) پ مجھ سے میرٹھ میں (ملے تھے مگر) میں ہر چند یاد کرتا ہوں مجھ کو وہ صحبت اور آپ کی ملاقات کی صورت یاد نہیں آتی ۔ بہر حال ارسال مسودات کی خواہش مقبول اور حکّ و اصلاح کی خدمت بجالانی بہ دل منظور۔ تمہارے ابوالآبا کا کہ وہ ابوالائمہ بھی ہے غلام ہوں، علیہ الصلوۃ وعلیہ السلام ۱۲

"ماہ نیم ماہ" مانگتے ہو. یہ نہیں جانتے ہو کہ وہ آسمان ہی ٹوٹ پڑا. جس پر ماہِ نیم طلوع کرتا ۔ بات یہ ہے کہ جس طرح مسافر سفر میں آدھی منزل طے کر کے دم لیتا ہے ۔میں نے آدم سے ہمایوں تک کا حال لکھ کر دم لیا تھا. قصد تھا کہ اب جلال الدین اکبر کی سلطنت کا حال لکھوں گا. کہ ناگاہ یہ فتنۂ عظیم حادث ہوا ۔ اور اکبر و ہمایوں کے خاندان کا نام و نشان جاتا رہا ۔ عرفت ربّی بفسخ العزائم ۱۲ "پنج آہنگ" "مہر نیمروز" "دستنبو" "قاطع برہان" "دیوان اُردو" یہ پانچ رسالے البتہ کتب میں شمار کیے جائیں ۔ "بادِ مخالف" کئی ورق کی ایک مثنوی ہے ۔ منجملہ اُن مثنویوں کے جو کلیات نظم فارسی" میں مندرج ہیں ۔ بجائے خود کتاب نہیں ہے ۔ ہاں یہ تو فرمایئے کہ "قاطع بر (ہان) "آپ کے ہات کہاں سے آئی ۔؟ شاید

نواب مصطفیٰ خاں صاحب سے آپ نے لی ہوگی۔ ماخذ "قاطع برہان" ضرور لکھیے۔ ۱۲

گمان زیست بود بر منت ز بے دردی
بد است مرگ و لے بد تر از گمان تو نیست

ہے ہے! تم اب تک یہ جانتے ہو کہ "غالب" شعر کہتا ہے یا کہہ سکتا ہے۔ ایک پانو رکاب میں، ایک ہات باگ پر۔ اس صورت میں کیا کہوں گا اور کیا لکھوں گا؟ مخ مکرم و معظم نواب مصطفیٰ خاں گواہ ہیں، کہ میں اب شعر نہیں کہتا۔ اللہ اللہ۔ لا موجود الا اللہ ۱۲

غالب ۱۲

(۱۸ مئی ۱۸۶۳ء)[۲]

---

یہ خط مشکور علی صاحب علوی کاکوروی کی ملک تھا۔ مولوی ضیاء الحسن کے توسط سے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کو ملا۔ انھوں نے اپنے ایک مقالے "کچھ اور بکھرے ورق" —— ہندستانی (۱۹۳۴ء ص ۹۵-۹۷) میں نقل کیا ہے۔ خط کا عکس بھی اسی اشاعت میں شائع ہے۔

## بنام صفیر بلگرامی

نورِ چشم لختِ جگر زبدۂ اولادِ پیغمبر حضرت مولوی سید فرزند احمد صاحب زاد مجدۂ
اس درویش گوشہ نشین کی دعا قبول فرمائیں۔ بوستانِ خیال کے ترجمہ کا عزم اور دو جلدوں
کا منطبع ہو جانا مبارک۔ حضرت یہ آپ کا احسان عظیم ہے مجھ پر خصوصاً اور بالغ نظرانِ ہند پر
عموماً۔ جناب میر ولایت علی صاحب سے بعد ارسال قیمت و محصول دو جلدیں مانگی ہیں۔ خدا
کرے وہ پارسل پہلے بھیجیں اور یہ رقم تمہارے پاس بعد۔

غالب

۸ر ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ

---

نگار۔ جولائی ۵۲ء ص / ۲۶-۲۷

## بنام صفیر بلگرامی

بہ علاقۂ مہر و محبت نورِ چشم و سرورِ دل و برعایتِ سیادت مخدوم و مطاع مولوی سید فرزند احمد طال بقاوہٗ و زاد علاوہٗ۔ اس مصرع میں میرا مکنونِ ضمیر دریافت فرمائیں،

بندۂ شاہ شمائیم وثنا خوانِ شما

یارب وہ کون بزرگ ہیں کہ سودائی کو معمائی سمجھتے ہیں۔ اصل فطرت میں میرا ذہن تاریخ و معما کے ملائم و مناسب نہیں پڑا ہے۔ جوانی میں از راہ شوخی طبع گنتی کے عامیانہ معمے لکھے ہیں۔ وہ مبادی کلیات فارسی میں موجود ہیں۔ تاریخیں اگر ہیں تو مادے اوروں کے ہیں اور نظم فقیر کی ہے۔ یہ کلام نہ بہ طریق کسر نفس ہے نہ بسبیلِ اغراق سچ کہتا ہوں اور سچ لکھتا ہوں اس نامہ مہر افزا کو دیکھ کر مبادی پرستان خیال کی عبارت یاد آئی۔ افسوس ہے کہ اس ہیچ میرز کے اجزائے خطابی اس مسودے کی تسوید کے وقت تک آپ نے نہیں سُنے تھے ورنہ اس کے کیا معنی کہ خط میں لکھے جائیں اور کتاب میں اندراج نہ پائیں۔ محمد رضا برق کا خطاب معلوم تھا تو آپ نے لکھا ہے۔ حکایت ہے شکایت نہیں۔ پہلی جلد جس کا نام افق الخیال ہے اس کے دیکھنے کا بہت مشتاق ہوں۔ جناب میر ولایت علی صاحب کو تاکید رہے کہ جب اس کا چھاپہ تمام ہو بے طلب بھیج دیں اور مع قیمت لکھ بھیجیں۔ اشعار گہر بار دیکھ کر دل بہت خوش ہوا سب اچھے ہیں مگر جو میرے دل میں اتر گئے ہیں وہ تم کو لکھتا ہوں۔

ہائے وہ لب ہلا کے رہ جانا
ابھی کچھ بات کر نہیں آتی

کیوں حضرت! ابھی کچھ کی تحتانی کا دبنا غیر فصیح نہیں؟

کچھ ابھی بات کر نہیں آتی

گیا اس کا نعم البدل نہیں ؟

ورق ہیں جوشش مضمونِ گریہ سے بادل
بسانِ ژالہ ہے ہر نقطہ کتاب میں آب
کبھی ہوں گرم کبھی سرد حسبِ موقع وقت
صفیرؔ آگ میں ہوں آگ اور آب میں آب

درمقال

عارفانہ و موحدانہ مضمون اور بالغانہ الفاظ

تم سلامت رہو قیامت تک
صحت و لطفِ طبع روز افزوں

نجات کا طالب غالب
شنبہ ۲۵ ذی قعدہ ۱۲۸۱ھ

(مارچ ۱۸۶۴ء)

---

نگار - جولائی ۱۹۵۲ء - ص ۲۶ - ۲۷ .

## بنام صفیر بلگرامی

نورِ چشم و سرورِ دل فرزانہ مرتضوی گہر مولوی سید فرزند احمد صاحب زاد مجدہٗ اس نسبت عام سے — کہ ہم اور آپ مومن ہیں، سلام۔ اور اس نسبتِ خاص سے آپ میرے دوست روحانی کے فرزند ہیں، دُعا۔ اور اس نسبت اخص سے کہ آپ میرے خداوندگی اولاد میں سے ہیں بندگی۔

میں قائل خداوند نبی و امام ہوں
بندہ خدا کا اور علی کا غلام ہوں

آپ کے دو خطوں کا جواب بہ سبیل ایجاز لکھا جاتا ہے۔ دُہائی خدا کی مجھ ولایت کے اپیل کی تاب نہیں نہ تم ایپلانٹ بنو نہ مجھے رسپانڈنٹ بناؤ۔ لکھ بھیجو کہ "صبح بہار" کی عبارت فارسی ہے یا اُردو اور ماکتب فیہ اُس کا کیا ہے۔

نجات کا طالب غالب

چہار شنبہ ہفتم ذی الحجہ ۱۲۸۱ھ

(اپریل ۱۸۸۳ء)

# بنام قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی

حضرت سلامت!

میاں قدرت اللہ صاحب کا تردد بجا بیش از صبح صادق نماز کیسی۔ کاتبِ اول کی خوبی اور نقل کرنے والوں کی غفلت ہے۔ اصل فقرہ یوں ہے۔ خود بدولت پیش از صبح صادق برخاستہ بعد بانگ صلوٰۃ با جماعت فضلا نمازِ صبح ادا کردہ بجھروکہ درشن تشریف می آوردند' ۱۲ حضرات بنفس نفیس بڑھا دیا اور برخاستہ کو بجبرا دٹھادیا۔ صبح صادق سے پہلے یعنی دو تین گھڑی رات رہے اٹھتے اور ضروریات سے فراغت کرتے' وضو کے مراسم بجا لاتے۔ جب موذن اذان دیتا جماعت کی نماز پڑھتے۔ رفع حوایج ضروری کو برخاستہ کے بعد مقدر چھوڑ جانا بلاغت ہے۔ یعنی اس وقت کے افعال: بول و براز ہیں۔ ان کا ذکر کردہ طبع ہے عموماً' اور بہ نسبت بادشاہ سوء ادب ہے۔ خصوصاً اور یہ جو فقیر بنفسِ نفیس کو غلط کہتا ہے یہاں ایک دقیقہ ہے یعنی بہت کام ایسے ہیں کہ آدمی آپ بھی کر سکتا ہے اور خادم سے بھی لے سکتا ہے۔ مثلاً چلم پر آگ دھرنے یا پاخانے میں لوٹا لے جانا۔ اور بہت کام ایسے ہیں کہ ہر شخص کی ذات

سے تعلق رکھتے ہیں۔ دوسرا نیا بتا نہیں کر سکتا۔ مثلاً حقہ پینا یا پاخانے
جانا، سونا، جاگنا، اٹھنا، بیٹھنا بھی اسی قبیل سے ہے۔ پس افعال مشترکہ
میں بنفس نفیس لکھ سکتے ہیں۔ اور افعال مخصوصہ میں نفس نفیس کی قید
لغو اور پوچ اور مہمل ہے۔ میں کروں کیا، فی الحال دو ومان معنی کا وہ حال
ہے جو ہندستان کا غدر کے بعد ہو گیا۔ جہلا جانتے نہیں علما اعتنا نہیں
کرتے۔ چھاپے کو توقیع الہٰی سمجھتے ہیں۔ نسخہ مطبوعہ میں غلطی کا احتمال جائز نہیں
رکھتے کاپی نویس کے جرم میں مصنف بیچارہ ماخوذ ہوتا ہے۔

داد کا طالب غالب

۸ مئی ۱۸۶۴ء[1]

---

[1] شمس بریلوی نے یہ خط آجکل (اگست ۱۹۴۹ء ص ۴۴) میں شائع کیا تھا۔

## بنام نواب یوسف علی خاں ناظم[1]

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت۔ بعد تسلیم معروض ہے توقیع وقیع عز ورود لایا۔ بذریعہ ہنڈوی سو روپے بابت جنوری ۱۸۶۵ء معرض وصول میں آئے۔

دیکھیے کب غسل فرماتے ہیں آپ
دیکھیے کب دن پھریں حمام کے

زیادہ حد آداب

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

نجات کا طالب غالب

۸ر فروری ۱۸۶۵ء [1]

---

[1] یہ خط محکمہ عالیہ دار الانشا سرکار دولت مدار ریاست رامپور کی مثل نمبر ۱۰۸ میں موجود ہے۔ عرشی صاحب کی "مکاتیب غالب" میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا۔ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے "چند نادر خطوط" (آجکل اپریل ۱۹۵۴ء ص ۹) میں نقل کیا ہے یہاں "آجکل" سے نقل کیا جاتا ہے۔

# بنام میر ولایت علی

جناب میر ولایت علی صاحب مہتمم مطبع عظیم المطابع عظیم آباد واسطے اپنے جد کے میری تقصیر معاف کیجیے۔ درحقیقت میرا گناہ نہیں ہے۔

'پیری و صد عیب چنیں گفتہ اند'

ستّر برس کی عمر حافظہ معدوم نسیان مستولی کل آپ کو بہ طلب ترجمۂ بوستانِ خیال مترجمہ صفیر بلگرامی خط لکھا۔ لفافہ کرتے وقت ٹکٹ لگانا بھول گیا۔ آج جو بکس کھولا ٹکٹ بکس میں پائی۔ ذلیل و خوار، خجل و شرمسار، آج لفافۂ جدید میں ملفوف کرکے بھیجتا ہوں۔ خدا کرے کتاب وہاں سے پہلے روانہ ہو، اور یہ لفافہ وہاں بعد پہنچے۔

نجات کا طالب

غالبؔ ۱۶ اپریل ۱۸۶۵ء

---

یہ خط پہلی بار ۱۸۸۵ء میں صفیر بلگرامی کی "فیض صفیر" میں شائع ہوا تھا۔ مولوی مہیش پرشاد نے "زمانہ" کانپور (مئی و جون ۱۹۴۹ ص ۱۵۱) اور قاضی عبدالودود نے آثارِ غالب میں نقل کیا ہے۔ یہاں "زمانہ" سے نقل کیا گیا۔

# بنام ماسٹر پیارے لال آشوب[1]

جناب بابو صاحب جمیل المناقب عمیم الاحسان سلامت

نیاز مہر کیشانہ و دُعائے درویشانہ قبول فرمائیں۔ ایک دن پہلے تفقّد نامہ اور دوسرے دن نسخۂ اعجاز ہنگامہ پہنچا۔ نظر اس تقدیم و تاخیر پر خط کو پھول اور کتاب کو پھل سمجھا۔ پھول سے نشاطِ تازہ اور پھل سے لذّت بے اندازہ پائی۔ جامِ جم جہاں نما ہو گا مگر کیا جانیے کیا ہو گا۔ بلکہ اسی میں تردّد ہے کہ نہ ہو گا یا ہو گا جامِ جہاں نمائے کتاب ہے جس سے ہر دیدہ ور بہرہ یاب ہے۔ یہاں تو میں مدح میں قاصر رہا، یہ میں نے کیا کہا جس طرح ہر دیدہ ور پڑھ کر حظ اٹھا سکتا ہے۔ نابینا بھی سُن کر لُطف پا سکتا ہے۔ فیض اس کتاب کا عام ہے۔ جامِ جہاں نما اِس کا سچا نام ہے۔ اسسٹنٹ کمشنر صاحب بہادر کی خدمت گذاری اور اشاعتِ علم میں مددگاری ذریعۂ عزو افتخار ہے[2]۔ مگر فقیر میں تین عیب ہیں۔ ستر برس کی عمر، کانوں سے بہرا، ہمیشہ بیمار آمد و رفتِ دَوام میں قاصر رہے گا۔ یہ نہیں ہے کہ نہ جاؤں گا۔ مگر حسب الطلب یا حسبِ ضرورت کار گذار فرماں بردار رہو گا۔ بہر صورت تعجب ہے کہ صاحب اسسٹنٹ بہادر نے مجھے کیوں نہ کہا، بلا کیوں نہ لیا۔ یقین ہے کہ جب آپ یہ خط اپنے نام کا حضرت کی خدمت میں بھجوا دیں گے تو وہ مجھے بے تکلف بلا لیں گے۔

فقط عنایت کا طالب، غالبؔ

۳۰ اگست ۱۸۶۵ء

[1] یہ خط پہلے "انشائے اردو" مطبوعہ مطبع سرکاری لاہور میں ۱۸۷۴ء میں چھپا تھا جہاں سے سید مرتضیٰ حسین فاضل نے "غالب کی نادر کتابیں" (اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۵۲ء ص ۵۹) میں نقل کیا۔ یہاں اورینٹل کالج میگزین سے نقل کیا جاتا ہے۔ خط پر مکتوب الیہ کا نام نہیں۔ بابو صاحب سے مراد غالباً پیارے لال آشوب ہی ہیں کیونکہ دہلی سوسائٹی کی بنیاد انہیں کے ہاتھوں پڑی ہے۔

## بنام نامعلوم

قبلہ آپ سے رخصت ہو کر بھیگتا بھاگتا جھوکا، جاڑا کھاتا پرسوں ۱۱ بجے دن کو اپنے گھر پہنچا[2]۔ اقربا و احبا کو زندہ و صحیح و سالم پایا۔ الشکر للہ۔ اب میں تندرست ہوں۔ اس سفر میں سراسر خستہ و رنجور رہا۔ اتمام سفر اتمام رنج تھا گویا کیا عرض کروں۔ غازی آباد شہر سے سات کوس ہے۔ شب کو وہاں مقام تھا۔ وہیں سے طبیعت اصلاح پر آنے لگی۔ قبض و انقباض رفع ہو گیا۔ صحت مع اعادۂ طاقت حاصل ہے۔ قاطع برہان ثم درفش کاویانی[2] کا پارسل پہنچا ہے۔ خدا کے واسطے اس کو دیکھنا اور غور سے دیکھنا۔ جس طرح لطائف غیبی کو دیکھا ہے۔ اس طرح نہ دیکھنا تم نقادِ نقود معنی ہو۔ تم ہی داد نہ دو گے تو کون دے گا۔ یہ کتاب نہیں گنجِ اسرارِ حکمت ہے۔ من قال سے قطع نظر ما قال کو دیکھو۔

بے دستگاہ اسد اللہ ۱۱[3] جنوری ۱۸۶۶ء [1]

---

[1] یہ خط پنجاب یونیورسٹی لائبریری (لاہور) کے ایک قلمی نسخے دیوان واقف (فارسی) میں موجود ہے۔ جہاں سے محمد داؤد رہبر نے "غالب کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب" (اورینٹل کالج میگزین فروری ۱۹۴۷ء ص ۵۸-۶۵) میں نقل کیا ہے۔ یہاں داؤد صاحب کے مقالے سے نقل کیا جاتا ہے۔ اُن کا خیال ہے دیوانِ واقف غالب کے زیر مطالعہ رہا ہے۔ اور یہ اصل خط کی نقل ہے۔ جو غالب نے جلدی میں کر لی ہو گی۔ خط کا عکس بھی دیا گیا ہے۔

## بنام مولوی ضیاء الدین ضیا[1]

جناب مولوی صاحب، کرم از شما دکمی از ما۔ اچھوں کے ساتھ سب بھلائی کرتے ہیں۔ بُروں کے ساتھ نیکی کرنی جواں مردی ہے۔ اگر اپاہج نہ ہوتا، فوراً آپ کے پاس پہنچتا۔ اب متوقع ہوں کہ آج اس وقت یا اور وقت، مگر آج ہی آپ تشریف لائیں اور ضرور تشریف لائیں۔ شام تک چشم براہ رہوں گا۔

عنایت کا طالب

غالب ۱۲

۲۷ر فروری ۱۸۶۶ء

---

۱ یہ خط ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے ایک مضمون "کچھ اور بکھرے ورق" ہندوستانی (۱۹۴۲ء ص ۵/۶۰) میں بغیر کسی حوالے کے شائع ہوا تھا۔ خط کا عکس بھی شامل اشاعت ہے۔

## بنام صاحب عالم مارہروی

حضرت صاحب قبلہ و کعبہ جناب صاحب عالم کو فقیر اسد اللہ کی بندگی۔

دیباچے[1] کا عظیم آباد کو روانہ ہونا معلوم ہوا مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ لخت جگر و نور بصر مولوی سید فرزند احمد کو وہ دیباچہ پسند آیا یا نہیں۔ ہات رعشہ دار، آنکھیں ضیعف البصر، حواس مسلوب ہیں، قصہ مختصر من کل الوجوہ وہاں غالب مغلوب ہیں۔ دو مہینے ہوئے کہ منشی ہرگوپال تفتہ بہ سواری ریل یہاں آئے، ایک شب رہے صبح کو تشریف لے گئے۔ مخدوم زادہ شاہ عالم کو سلام اور یہ پیام کہ بطلان حس حافظہ کے سبب آپ کے اخوان کے نام بھول گیا ہوں اُن سب صاحبوں کی خدمت میں اور میاں برکات حسن صاحب اور چودھری عبدالغفور صاحب (کو) سلام پہنچائیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ مولوی غلام غوث خاں میر منشی نے آپ کا دیباچہ اور میرا مجموعہ نثر مرتب کر کے منشی ممتاز علی خاں (کو) بھیج دیا۔ اب چھپوانے میں اُن کو اختیار ہے[2]۔

اسد

۲۶ اگست ۱۸۶۶ء

یہ خط صاحب عالم کی خود نوشت بیاض میں درج تھا جس سے مختار الدین آرزو نے نوادر غالب (علیگڑھ میگزین غالب نمبر ص ۹۷) میں نقل کیا ہے

## بنام مولوی نعمان احمد

جاں بہ سر مکتوب تو از ذوق فشاندن
از عہدۂ تحریر جوابم بدر آوردو

ایہ رحمت سلامت 'یاد آوری کا شکر ، بجا لاتا ہوں ۔ کیوں اتنی میری تعریف کے (کی) جو میں اپی (اپنے) کو اوسکی (اس کے) لائق نہیں پاتا ہوں ۔ ہرگز میں ایسا نہیں کہ خدا نے (نے) مجھ سے پہلے کو تے (کوئی) ایسا نہ پیدا کیا ہو۔ عنایت مانی الباب یہ ہے کہ سخنورانِ گزشتہ کا طرز شناس اور اُن نازک خیالوں کا پیرو ہوں ۔ اور مبدا فیاض سے مجکو (مجھ کو) اونکی (اُن کی) تقلید میں پایۂ تحقیق ملا ہے ۔ اور میں صاحب طرز جدید ہوں ۔ اب یہاں میں ایک بات سچ کہتا ہوں آپ باور کریں ۔ واللہ میرے ایجاد کیے ہوئے طرز میں آپ سے بہتر نثر کسے (کسی) نے نہیں لکھی ۔ نہ یہ مبالغہ ہے نہ تملق بلکہ خالصاً للہ آپ سچ ارشاد کریں کہ بعض اشخاص جو اس روش پر چلتے ہیں باآں کہ خوشش رفتار نہیں ہیں لیکن مجکو (مجھ کو) برا جانتی (جانتے) ہیں ۔ اور بُرا کہتی (کہتے) ہیں یہ حق ناشناسی (ناشناسی) ، اور ناانصافی ہے یا نہیں ۔ اس کا جواب ضرور لکھیے ۵

جو قاطع برہان میں کہیں کہیں سہو طبعی واقع تھا ناچار اوس کے (اس کی) ترمیم و تکمیل کے واسطے دوسرے (اس) نسخہ میں کچھ بڑھایا اور ایک دیباچہ اور لکھا اور اوس رسالہ کا درفش کاویانی نام رکھا ۔ کل یکشنبہ ہے پارسل ڈاک میں روانہ نہیں ہو سکتا ۔ پرسوں دوشنبہ کو بھیجوں گا ۔ اس کی (اس کے) سواد پرسش جس کا خط میں وعدہ ہے اوس کا منتظر اور جلد پہنچنے (پہنچنے) کا آرزومند

ہوں۔ اگلے خط کے عنوان پر جو خیال میں آئے گا وہ لکھوں گا۔ اور معذور بھی ہوں گا۔ آئندہ خط نے (خاقانی) نواب (نوابی) یا جو اور الفاظ اسمِ مبارک کے ساتھ معمول ہوں ان پر اطلاع پاؤں۔

اسد اللہ ۵ شنبہ ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء

لفافہ پر پتہ یہ ہے :-

مقام مہیوا پرگنہ بہرے ضلع سیتا پور پہنچ کر حضرت ملک رفعت مخدوم و مکرم و معظم جناب نعمان احمد صاحب تعلقہ دار زاد مجدہ کے خدمت میں مقبول ہو۔

پیڈ ضروری ۵ ستمبر ۱۸۶۶ء جواب کا طالب

غالب [۱]

---

[۱] یہ خط احتشام حسین کی "ذوقِ ادب اور شعور" کے ایک مقالے "غالب کے غیر مطبوعہ خطوط ایک نئے مکتوب الیہ کے نام (ص ۱۳۶ - ۱۳۷) سے لیا گیا۔ یہ خط آج کل فروری ۵۲ء میں غالب کے چار خط کے تحت شائع ہو چکا ہے۔

## بنام مولوی نعمان احمد

مولینا د بالفضل اولینا فقیر میں جہاں اور عیب ہیں ایک یہ بھی عیب ہے کہ جھوٹ نہیں بولتا۔ حکام سے بسبب ریاست خاندانے (خاندانی) کے علاقے کی (علاقے کے) اکثر ملاقات رہتی ہے۔ اور معاملات بھی آپڑتے ہیں کبھی خوشامد کسیکے (کسی کی) نہیں کے (کی) بھلا حضرت سے جھوٹ کیوں بولتا۔ اور آپکی خوشامد کیوں کرتا۔ ایسا عاصے (عاصی) بھی نہیں کہ واللہ باللہ کو تکیہ کلام جانتا ہوں۔ سو حدہ کو اور واؤ کو قسمیہ جان کر از روے قسم لکھا تھا۔ اور اب بھی از روے قسم کہتا ہوں کہ نثر کے اس شیوۂ خاص میں اور مدعیوں سے آپ بہتر ہیں۔ آپ کو اپنا ہم فن اور اپنا ہم زبان سمجھ کر اپنا اور دل آپکی (آپ کے) سامنی (سامنے) رکھا تھا۔ آپ نے غم خوارے نکے (غم خواری نہ کی) بلکہ اور اولٹا آپ مجھ سے ملول ہوے۔ خیر یہ بھی میرے بخت کے (کی) برگشتگی تھے (تھی) کہ حضرت کی (کے) ذہن نے میرے خلافِ مقصود کے (کی) جہت انتقال کیا ہ

برسوں سے خطوط فارسی میں لکھنی چھوڑ دی (لکھنے چھوڑ دیئے) اب شہزادہ بشیرالدین بہادر بنیرۂ ٹیپو سلطان مغفور کے سوا کسیکو فارسے خط نہیں لکھتا اور یہ موافق اون کے حکم کے ہے اور وہ مطاع ہیں اور میں مطیع بہتر برس کے (برس کی) عمر حواس مسلوب قوی مضمحل بصارت میں ضعف ہاتھ میں رعشہ نسیاں مستولے۔ اے لو آپ کا خط آیا۔ پڑھا جواب اور وقت پر حوالہ کمر کے خط مع سرنامہ رکھ چھوڑا آج جو جواب لکھنی (لکھنے) بیٹھا خط نہیں ملتا نہ بکس میں نہ کتابوں میں نہ طاق میں۔ حیران کہ اب کیا کروں۔ بارے جو کچھ یاد آگیا اوس کا جواب لکھا۔

قرآن کے باب میں غرض یہ ہے کہ زہرہ، مشتری کا ایک برج و درجہ و دقیقہ میں برابر ہونا قرآن السعدین
ہے اور یہ قرانات جزئیہ میں سے ہے، اور اکثر واقع ہوتا ہی (ہے) اور یہ قرآن جب سلطنت موعود
نہیں، اگر کسی بادشاہ کے ہنگام ولادت یہ قرآن آ بہم ہوگا، بشرط آنکہ برج طالع میں یا وتد و ثلثہ
یا مائل اوتاد میں واقع ہو کہ نظر اوسکے (اس کی) طالع موعود پر ہو تو وہ افادہ صحت و عیش و عشرت
کرتا ہی (ہے) اور ہیں وہ قرانات اور ہیں جو موجب تغیر اوضاع عالم و استقلال سلطنت ہوتے ہیں۔
ازاں جملہ ایک یہ قرآن تھا کہ زحل و مریخ سرطان میں فراہم ہوئے تھی (تھے) سراسر ہندستان کے
(ہندستان کی) خاک اوڑا دے (اوڑادی) قصہ مختصر جو بادشاہ صاحبقران کہلاتا ہی (ہے)
بہ اعتبار افراط جاہ و جلال و قوت حال کہلاتا ہی (ہے)، طالع ولادت میں قرآن السعدین
واقع ہونا ضرور نہیں۔ صاحبقران مرادف شاہنشاہ ہی (ہے) سو بھی صرف سلاطین تمریہ میں
دو شخص صاحبقران کہلائے ہیں۔ امیر تمر اور شاہجہاں۔ تتبع کلام اساتذہ سے معلوم ہوگا۔ کہ
خاقانے (خاقانی) نے اپنی (اپنے) کو صاحبقران لکھا ہی (ہے) اسی طرح فقیر نے بھی
لکھا ہے ؎

سزد گر نویسند صاحبقرانم

اور بیان مدت توقیع نویسے (نویسی) علت نہیں ہے صاحبقران کہلانیکے (کہلانے کی)۔

فقط۔ اسد اللہ [مہر: ۱۲۸۷ھ غالب] شنبہ ششم اکتوبر ۱۸۶۶ء

ازروے احتیاط بیرنگ بھیجتا ہوں

لفافہ پر پتہ یہ ہے :-

ہیوا پرگنہ جھولی ضلع سیتاپور ۶؍ اکتوبر ۱۸۶۶ء بیرنگ ضروری جواب طلب

بخدمت مخدوم و مکرم مولوی نعمان احمد صاحب زاد مجدہٗ مقبول باد

از اسد [۱]

---

[۱] یہ خط "ذوقِ ادب و شعور": احتشام حسین کے ایک مقالے "غالب کے غیر مطبوعہ خطوط، ایک نئے مکتوب الیہ کے نام" (ص ۱۳۷۔۱۳۹) سے نقل کیا گیا ہے۔ آج کل (فروری ۵۲ء) میں بھی یہ خط احتشام صاحب کے ایک مضمون "غالب کے چار خط" میں شامل ہے۔

## بہ نام مولوی نعمان احمد[۱]

حضرت آپکو اپنے حال پر متوجہ پاکر، اور مائل تحقیق جانکر کل چار سواد میں نے بہ سبیل پارسل روانہ کئی (کیے)، ہیں ایک دافع ہذیان مصنف اس کے مولوی نجف علی مجمع البحرین علم فارسی و عربی سبب تالیف یہ کہ ایک شخص عامی فضول نے اپنی شہرت کے واسطے قاطع برہان کے مطالب کے رد میں ایک کتاب لکھے (لکھی) محرق قاطع برہان اوس کا نام رکھا عبارت جہل مقاصد پوچ مولوی نجف علی نے منصفانہ اوس کے رد میں ایک رسالہ لکھا موسوم بہ دافع ہذیان فارسی قدیم کے طرز پر دوسرا رسالہ سوالات عبد الکریم۔ یہ شخص طالب علم ساکن دہلی اس اس نسخے کے خاتمے پر استفتا ہی (ہے) جس کو میں نے تیسرا سواد شمار کیا ہی (ہے) چوتھا۔ لطائف غیبی۔ یہ رسالہ زبان اردو میں ہے اس کا حال اس کے مشاہدے سے کھلے گا۔ متوقع ہوں کہ اس پارسل کے (کی) رسید ضرور لکھیے گا اور پارسل سے کئے (کئی) دن پہلے ایک خط بھیجا ہے اوس کے جواب کا بھی طلبگار ہوں۔

اسد اللہ بیدستگاہ ۱۹ اکتوبر ۱۸۶۶ء

نظر بہ احتیاط یہ خط بیرنگ بھیجا ہے قصور معاف ۱۲

لفافہ پہ پتہ ہے:-

ضلع سیتاپور تعلقہ مہیوا پرگنہ مہوے بخدمت جناب مولوی نعمان احمد صاحب زادہ مجدہ مقبول باد۔

از اسد بیرنگ ۔ بیرنگ ۱۸ ماہ اکتوبر ۱۸۶۶ء

ضروری جواب طلب ۵ ---- لہ

---

[۱] ذوق ادب شعور، احتشام حسین (ص ۱۳۹ - ۱۴۰) سے لیا گیا۔ یہ خط آجکل (فروری ۵۲ء) میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

## بنام نواب کلب علی خاں

حضرت اولی نعمت آیۂ رحمت سلامت!

بعد تسلیم معروض ہے ورودِ توقیع ونوید عفو نے رواں پرور ی کے سو روپے بابت تنخواہ اکتوبر ۱۸۶۶ء اور دے ہنڈوی ملفوف معروض وصول میں آئے۔[۱] یا امیر المرسلین حضرت کا عزم رونق فزائے اکبرآباد سُن کر چاہا کہ وہاں آؤں۔[۲] ریل کی سواری کی تاب ہرگز نہ پائی۔ منزل بہ منزل جانے میں سوچا کہ آگرہ سات منزل۔ رام پور ۶ منزل یہاں جو جاؤں وہیں کیوں نہ جاؤں۔ عزم مصمم کیا کہ اپنے فرزند اور آپ کے غلام[۳] کو بھیجوں۔ وہ بھی خوش خوش آمادۂ رہ روی ہوا۔ ناگاہ تپ محرقہ نے اُسے گھیرا اور شانے کا درد علاوہ۔ مہینہ بھر ہوا کہ نہ تپ اُترتی ہے نہ شانے کا درد جاتا ہے۔ حکیم احسن اللہ خاں کی تجویز سے فصد بھی کھُلی۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ کسی شب کو کچھ سو رہتا ہے۔ ورنہ ساری رات جاگتا ہے اور ہائے ہائے کرتا ہے۔ اس کے ساتھ سب جاگتے ہیں۔

راحتے نیست دراں خانہ کہ بیماری ہست

مجمل یہ ہے اور مکرمی میر محمد ذکی صاحب عرض کریں گے زیادہ حد آداب۔

تم سلامت رہو ہزار برس ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

عریضۂ اسد اللہ خاں بے دست گاہ

معروضہ دوشنبہ پنجم ۵ نومبر ۱۸۶۶ء

---

یہ خط دار الانشا سرکار رامپور میں محفوظ ہے۔ یہاں ڈاکٹر مختار الدین آرزو کے ایک مقالے غالب کے تین غیر مطبوعہ خط (آج کل مئی ۵۲ء) سے لیا گیا۔

## بنام مولوی نعمان احمد

قبلہ آج خیال آیا کہ نامہ مرقومہ ۳۱ اکتوبر کے بعد کوئی خط میرے حضرت کا نہیں آیا۔ اوس میں میرے بھیجے ہوے (بھیجی ہوئی) کتابوں کی رسید اور آپ کا عازم اکبرآباد ہونا مندرج تھا۔ اکبرآباد کا ہنگامہ تمام ہوا۔ غالب ہے کہ آپ بھی اپنی دارالریاست کو پہنچ گئی ہونگی (گئے ہوں گے) عجب ہے کہ وہاں پہنچ کر بھی آپ نے یاد نہ کیا الحمد کہ اقبال نشاں عالے دودماں مولوی (سلمان) احمد خاں کے (کی) نوید صحت از روے مکتوب معلوم ہو گئی ہی (ہے) فقیر کے (کی) دعائے ہے یاد اونکو پہنچے ...... ہیں حسب الحکم خط بیرنگ بھیجتا ہوں مگر طریق احوط یہ ہے کہ آپ کی (آپ کے) خطوط بھی بیرنگ روانہ ہوا کریں۔ کہ فی الجملہ اسمیں تلف ہونے کا اندیشہ کم ہی (ہے) ہ جانتا ہوں کہ آپ شعر کہتی (کہتے) ہوں گے اگر میرا گمان سچ ہی (ہے) تو جیسا کہ نثر سے متمتع ہوا ہوں نظم سے بھی بہرہ اندوز ہوں۔

نامہ غالب بے ادب     تقصیر معاف     جواب طلب

دوشنبہ ۱۷ دسمبر ۱۸۶۶ء

لفافہ پر پتہ یہ ہے :-

ضلع سیتاپور پرگنہ مھوی مقام جھیوا بوالہ خدمت مولوی مناقب جمیل المناقب عمیم الاحسان مولوی نعمان احمد خاں بہادر تعلقہ دار زاد مجدہٗ مقبول باد۔

اسد بیرنگ     بیرنگ ۱۷ دسمبر ۱۸۶۶ء [1]

---

[1] ذوق ادب و شعور: احتشام حسین (ص ۱۴۰-۱۴۱) سے لیا گیا۔ آجکل (فروری ۵۲ء) میں بھی شائع ہوا۔

# بنام چودھری عبدالغفور سرور[1]

جناب چودھری صاحب!

میں تو خدمت[2] بجا لایا۔ مگر اس کے صلے میں تین باتیں چاہتا ہوں، ایک تو یہ کہ آرہ میں مولوی سید فرزند احمد[3] کے مکان کا پتہ مجھے لکھ بھیجو تاکہ میں اُن کو تہنیت لکھوں۔ دوسرے یہ کہ تمہارا خط تم کو واپس بھیجتا ہوں۔ حضرت صاحب کی دستخطی عبارت کو حرف بحرف اپنے ہاتھ سے لکھوا کر مجھ کو بھیجو تاکہ میں ان کو تہنیت میں خط لکھوں۔ واللہ ہرگز مجھ سے پڑھا نہیں گیا۔ تشویش و تشویر میں ہوں کہ کیا کروں۔ تم یہ بوجھ مجھ پر سے اُٹھالو۔ تیسری بات یہ کہ یہ معاملہ حضرت صاحب پر ظاہر نہ ہو اور میرے اس خط کا جواب جلد آئے۔

غالب۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۶ء

---

سرور کے ایک عزیز حبیب انور زبیری صاحب کے پاس سرور کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نعتیہ قصیدہ اور آٹھ نو قطعات ہیں۔ انہیں صفحات کے ایک گوشہ پر یہ خط بھی غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ یہ خط مختار الدین احمد آرزو نے غالب کا ایک غیر مطبوعہ خط آجکل (فروری ۱۹۵۵ء ص ۶۲) میں نقل کیا ہے۔ اسی پرچے میں اس خط کا عکس بھی شامل ہے۔ اسی عکس سے یہ خط نقل کیا گیا ہے۔ نقوش کے مکاتیب نمبر میں بھی یہ خط شامل ہے۔ (نقوش مکاتیب نمبر جلد ۱ ص ۱۰۵)۔

## بنام نواب کلب علی خاں

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت

بعد تسلیم معروض ہے کل حضرت کے اقبال سے ایک مسرّتِ تازہ مجھ کو پہنچی۔ تفصیل اس کی یہ کہ اقبال نشان میرزا شہاب الدین خاں انگریزی خواں ہے۔ اخبار انگریزی دیکھا کرتا ہے۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے انگریزی اخبار میں دیکھا کہ جناب نواب صاحب قبلہ جو شریکِ اجلاس کونسل ہوئے! نواب گورنر جنرل بہادر مع اور کونسل نشینوں کے نواب صاحب کے حُسنِ صورت و فرطِ خلق و لُطفِ تقریر سے بہت راضی و خوشنود ہوئے۔ اور اُن کی رائے سب کو پسند آئی۔

ایں مراتب کہ دیدۂ جزویست
کارِ کلّی ہنوز در قدرست

روز افزونیٔ دولت و اقبال کے مدراج ابھی بہت سنوں گا اور دیکھوں گا۔ انشاء اللہ العظیم۔

تم سلامت رہو قیامت تک　　　دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

دوام دولت کا طالب

غالب

۲۶ر جنوری ۱۸۶۷ء [1]

---

[1] آجکل (مئی ۵۲ء ص ۱۹ - ۲۰) سے لیا گیا۔

## بنام نواب امین الدین احمد خاں بہادر والئ لوہارو

۳ مارچ ۱۸۶۷ء

اے میری جان

کس وقت میں مجھ سے غزل مانگی کہ میرے واسطے نکیرین کے جواب دینے کا زمانہ قریب آگیا۔ میرا حال اب جس کو دریافت کرنا ہو۔ وہ اہلِ محلہ سے دریافت کرے۔ تمہاری خاطر عزیز سے فکر کی۔ بارے نفسِ ناطقہ نے بری بھلی طرح مدد دی۔ نو شعر پہنچے ہیں۔ لیکن نہ شاعرانہ۔ نہ عارفانہ۔

### غزل

ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں — میں دشتِ غم میں آہوئے صیاد دیدہ ہوں

ہوں دردمند جبر ہو یا اختیار ہو — گہ کشیدہ گہ اشک نالہ چکیدہ ہوں

جاں لب پہ آئی تو بھی نہ شیریں ہوا دہن — از بسکہ تلخیِ غمِ ہجراں چشیدہ ہوں

نہ سبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے رابطہ — میں معرضِ مثال میں دستِ بریدہ ہوں

ہوں خاکسار پر نہ کسی سے ہے مجھ کو لاگ — نہ دانۂ فتادہ ہوں نہ دامِ چیدہ ہوں

جو چاہیے نہیں وہ مری قدر و منزلت — میں یوسفِ بقیمتِ اوّل خریدہ ہوں

ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ — ہوں میں کلامِ نغز ولے ناشنیدہ ہوں

اہلِ ورع کے حلقہ میں ہر چند ہوں ذلیل — پر عاصیوں کے فرقے میں میں برگزیدہ ہوں

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدؔ

ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں [1]

---

[1] نقوش۔ مکاتیب نمبر۔ جلد ۱ ص ۱۰۶

## بنام محمد حسین خاں[1]

مشفقی و مکرمی جناب محمد حسین صاحب کو فقیر غالب کا سلام پہنچے۔ اسداللہ ہر ہفتہ دبدبۂ سکندری کے مطالعے سے سرور اُٹھاتا ہے۔ رام پور کے حالات پڑھ کر نہایت خوش ہے۔ ایک رباعی آپ کو اس مُراد سے بھیجتا ہوں۔ کہ دبدبۂ سکندری میں جہاں رام پور کا آپ لفظ لکھتے ہیں۔ پہلے یہ رباعی لکھ دیا کیجئے۔ اور علیٰ الدوام اس کا التزام رہے۔ یعنی ہر اخبار میں اس مقام پر یہ رباعی لکھی جایا کرے۔ اور وہ رباعی یہ ہے۔

آں کیست کہ جسم ملک را جاں باشد
آں کیست کہ ہمسر سلیماں باشد
آں کیست کہ انجمش بفرماں باشد
کس نیست مگر کلب علی خاں باشد

اور ایک قطعہ اس مراد سے لکھتا ہوں کہ جہاں رام پور کی نمائش گاہ کا ذکر لکھو اس عبارت کے خاتمہ پر یہ قطعہ لکھ دو۔ اور اگر یہ قطعہ نمائش گاہ کے ذکر کے بعد پہنچے تو اس کی اطلاع لکھ کر دینا۔ یہ قطعہ ایک ہی بار لکھا جائے گا۔

| | |
|---|---|
| نمائش گہ در خود ستاں خویش | برآراست نواب عالی جناب |
| بشب زہرہ دمہ قنادیل مقف | بود پیشکارش بروز آفتاب |

زغالب چو پرسید و شد سالِ آں | چنیں گفت آں رندِ خانہ خراب
---|---
ازآنجا کہ در بزمِ عیش و سرور | ز بخشش جہانے شدہ کامیاب
چو بینی نہایت ندارد طرب | بگو سالِ آں بخششِ بے حساب

۱۲۸۳ھ

"بخششِ بے حساب" کے ۱۲۸۵ھ ہوتے ہیں۔ جب طرب کی ب کے عدد دو کر دیجیے تو ۱۲۸۳ھ ہوتے ہیں۔ فقط

مگر بھائی صاحب نواب صاحب سے بغیر اجازت لئے اور کہے ہرگز نہ چھاپنا۔

۱۱ اپریل ۱۸۶۷ء

جواب کا طالب۔ غالب

لفافے کا پتہ:۔

رام پور، آزاد خاں کا بنگلہ۔ دبدبۂ سکندری کا مطبع خاں صاحب مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کی خدمت میں پہنچے۔ (بیرنگ ضروری)[1]

---

[1] محمد حسین خاں کے نام غالب کے تین خط دبدبۂ سکندری نمبر ۳۴ جلد ۲۴ مورخہ ۲ ذی قعدہ ۱۳۰۶ھ مطابق یکم جولائی ۱۸۸۹ء میں شائع ہوئے تھے۔ محمد علی خاں اثر رامپوری نے آجکل (دسمبر ۱۹۵۱ء ص ۲۵) میں نقل کئے ہیں۔ یہاں یہ خطوط آجکل سے نقل کئے گئے۔

## بنام محمد حسین خاں

خان صاحب مشفق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو غالب کا سلام پہنچے۔ آگے میں نے ایک خط مع ایک قطعہ اور ایک رباعی کے بھیجا ہے۔ یقین ہے، کہ آپ نواب صاحب سے اجازت لے کر اس کو موافق میری خواہش کے چھاپ دیں۔ الخ!

۲۵ر اپریل ۱۸۶۷ء

راقم :- اسد اللہ خاں

پتہ لفافہ :-
رام پور کے ڈاکخانہ میں پہنچ کر فضل حسن خاں۔ پوسٹ ماسٹر کے پاس پہنچے۔ وہ اپنی مہربانی سے دبدبۂ سکندری کے مطبع میں مشفقی و مکرمی محمد حسین خاں صاحب کے پاس بھجوادیں۔ [1]

---

[1] آجکل ستمبر ۱۹۵۱ء ص ۲۵۔

## بنام محمد حسین خاں

شفیق مکرم محمد حسین خاں صاحب کو فقیر اسد اللہ کا سلام۔ آپ کا مہربانی نامہ پہنچا۔ مطالب دل نشیں ہوئے۔ ۷۴ کی عمر ہوئی۔ اگر سن تمیز ۱۴ برس سے رکھیے۔ تو ساٹھ برس کا نیک و بد سیاہ و سفید کا تجربہ کار ہوں اور حقیقت ہر بات کی کما حقہ فوراً ذہن میں آجاتی ہے۔ واللہ تا اللہ ثم باللہ تمہارا خط پڑھتے ہی مجھ کو یقین آگیا۔ آپ بھی اس کو یقین سمجھیے گا۔ اب جو تم کو دوست صادق الولا جانا تو حقیقت لکھتا ہوں۔ الخ

۵ محرم ۱۲۸۴ھ      ۱۰ مئی ۱۸۶۷ء [1]

---

[1] آجکل ستمبر ۱۹۵۱ء ص ۲۵۔

## احمد حسین میناؔ مرزاپوری کے نام[1]

جانِ غالبؔ

کل تمہاری دونوں غزلیں بعد اصلاح ٹکٹ دار لفافے کے اندر رکھ کر بھجوادی ہیں۔ مطلع تو تم نے میری زبان سے کہا ہے ؎

ادائے یوسفی ہے لوٹ قاتل کے لڑکپن پر　　سوادِ دیدۂ یعقوب کے دھبے ہیں دامن پر

اِس زمین میں میری بھی غزل ہے اور ناسخؔ و آتشؔ کی بھی غزلیں میں نے دیکھی ہیں تم نے بہت بڑھ کر لکھا ہے۔ گردن کا قافیہ بھی مجھے پسند آیا ؎

نزاکت اُنکی وقتِ قتل مقتل میں یہ کہتی ہے　　یہ اتنے خونِ ناحق جس سے اُٹھیں انکی گردن پر

غرضکہ ساری غزل بے مثل ولاجواب ہے، کیوں نہ ہو، ابھی تمہارا شباب ہے۔ زمین شعر کو آسمان پر پہنچایا ہے۔ اس غزل میں تو تم نے جوانی کا زور دکھایا ہے۔

قصیدہ کا وعدہ نہیں کرتا اگر بے وعدہ پہنچ جائے گا، تو لُطف آئے گا، اور اگر نہ پہنچے گا تو محلِ شکایت نہ ہوگا۔ بندہ پرور! میرا کلام کیا نظم، کیا نثر، کیا اُردو کیا فارسی کبھی کسی عہد میں میرے پاس فراہم نہیں

ہوا۔ دو چار دوستوں کو اس کی فکر تھی۔ وہ مسوّدات مجھ سے لے کر جمع کرتے تھے۔ سو اُن دوستوں کا زمانۂ غدر میں گھر ہی لُٹ گیا نہ کتاب رہی، نہ اسباب رہا پھر میں اپنا کلام نظم و نثر کہاں سے لاؤں۔

مولوی فرزند علی صاحب اخگر کا کون شخص مشتاق نہ ہوگا۔ حُسنِ صورت اور حُسنِ سیرت دونوں اُن میں جمع ہیں۔ فقیر تو اُن سے مل کر بہت خوش ہوا۔ آنکھیں اُن کے حُسنِ صورت سے روشن اور دل اُن کے حُسنِ سیرت سے مسرور ہو گیا۔ اس تکلیف کی کیا ضرورت تھی۔ میں یوں ہی خدمت گذاری کو حاضر ہوں۔ جب چاہیں اپنا کلام بھیجدیں۔ میرا سلام اور یہ پیام کہہ دیجیے گا۔

تمھارے دیدار کا طالب

غالب

۱۳ جولائی ۱۸۶۷ء

---

یہ خط مرقع ادب (جلد ۲ ص ۲۰-۲۱) سے لیا گیا۔

## بنام نامعلوم

دیگر از خویشتم جز بنو و تکلف بر طرف
این قدر دانم کہ غالب نام یارے داشتم

ہجوم غم سے فراغ نہیں، عبارت آرائی کا دماغ نہیں، اگرچہ گوشہ نشین و خانماں خراب ہوں لیکن بجسب رابطۂ ازلی کثیر الاحباب ہوں، اطراف و جوانب سے خطوط آتے ہیں اِدھر سے بھی ان کے جواب لکھے جاتے ہیں جو اشعار واسطے اصلاح کے آتے ہیں بعد اصلاح کے بھیجدیے جاتے ہیں۔

ان صاحبوں میں سے اکثر ایسے ہیں کہ نہیں نے اُنھیں نہ انھوں نے مجھے دیکھا ہے۔ محبت دلی و نسبت روحانی سہی لیکن صاحبان بلا دور دست کیا جانیں میرا حال کیا ہے۔ ہفتاد و یک سالہ عمر کی کتاب میں سے فصل آخر کی حقیقت یہ ہے کہ دس پندرہ برس سے ضعفِ سامعہ اور قلتِ اشتہا میں مبتلا ہوا اور یہ دونوں مرضیں روز افزوں رہیں۔ حس حافظ کا بطلان علاوہ جوں جوں عمر بڑھتی گئی یہ امراض بھی بڑھتے گئے۔ قصہ مختصر اب سامعہ کا حال یہ ہے کہ ایک تختہ کاغذ کا مع دوات و قلم سامنے دھرا رہتا ہے جو دوست آتے ہیں پرسشِ مزاج کے سوا اور کچھ کہنا ہوتا ہے وہ لکھ دیتے ہیں میں اُن کی تحریر کا جواب زبانی دیتا ہوں۔ غذا کی حقیقت یہ ہے کہ صبح کو آٹھ دس بادام کا شیرہ۔ دوپہر کو سیر بھر گوشت کا پانی، دو گھڑی دن رہے دو یا تین تلے ہوئے کباب۔ نسیان حد سے گزر گیا۔ رعشہ دوران و ضعف بصر یہ یارانِ نو آمدہ میں سے ہیں۔ میر تقی مرحوم کا مطلع دردِ زبان ہے۔

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم
القصہ نہ دَرپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

خط بکس میں یا کتاب میں رکھ دیتا ہوں اور بھول جاتا ہوں آگے لیٹے لیٹے خط لکھتا تھا۔ اب رعشہ یوں بھی نہیں لکھنے دیتا۔ صاحبِ اکمل الاخبار اور صاحبِ اشرف الاخبار، جو ہمیشہ مجھ سے ملتے جلتے رہتے ہیں اور میرا حال جانتے ہیں۔ از روے مشاہدہ میرے کلام کی تصدیق کر کے اسی اعتذار کو اپنے اخبار میں چھاپا ہے۔ کل دیگر صاحبانِ مطبع اور راقمانِ اخبار اگر اسی عبارت کو اپنے اخبار کے اوراق میں درج کریں گے تو فقیر اُن کا احسان مند ہوگا۔ اس نگارش کی شہرت سے مقصود یہ ہے، کہ میرے احباب میرے حال سے اطلاع پائیں اگر خط کا جواب یا اصلاحی غزل دیر میں پہونچے تو تقاضا اور اگر نہ پہونچے تو شکایت نہ فرمائیں۔ میں دوستوں کی خدمت گزاری میں کبھی قاصر نہیں رہا اور خوشی خوشنودی سے کام کرتا رہا، جب بالکل نکما ہو گیا، نہ حواس باقی نہ طاقت پھر اب کیا کروں بقول خواجہ وزیر ؎

میں وفا کرتا ہوں لیکن دل وفا کرتا نہیں

اگر کسی صاحب کو میری طرف سے کچھ رنج و ملال ہو تو خالصاً للہ معاف
اگر نادان ہوتا تو احباب سے دعائے صحت کا طلبگار ہوتا۔ اب جو بوڑھا
ہوں تو مغفرت کا خواہاں ہوں۔

غالب [1]

(۱۸۶۷ء)

---

[1] اس خط کے مکتوب الیہ کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔ صفدر مرزا پوری کے مرقع ادب (جلد ۱) ص ۲۴۲-۲۴۳ میں اور اردو (۱۹۲۹ء ص ۱۶۷-۱۶۹) میں شائع ہو چکا ہے۔ یہاں مرقع ادب سے لیا گیا ہے۔

## رقعہ مرزا غالب بنام نواب علاء الدین خاں مرحوم علائی

خوشی ہے یہ آنے کی برسات کے — پئیں بادۂ ناب اور آم کھائیں[2]
سر آغاز موسم میں اندھے ہیں ہم — کہ دلی کو چھوڑیں لوہارو کو جائیں
سوا ناج کے جو ہے مقلوب جا — نہ واں آم پائیں نہ انگور پائیں
ہوا حکم باورچیوں کو کہ ہاں — ابھی جا کے پوچھو کہ کل کیا پکائیں
وہ کھٹے کہاں پائیں املی کے پھول — وہ کڑوے کریلے کہاں سے منگائیں
فقط گوشت سو بھیڑ کا ریشہ دار — کہو اس کو ہم کھا کے کیا حظ اٹھائیں

---

خوانی بسوے خویش و ندانی کہ مردہ ام — دانی کہ مردہ را رہ و رسم حرام نیست
نے شیخ سدوام نہ الٰہی بخش مرگ من — از عالم جنابت و مرگ حرام نیست

---

(۱۸۶۵-۱۸۶۷ء)[1]

---

ضیاء اللہ خاں صاحب رامپوری نے نواب علائی خاں کے لڑکے نواب مرزا بشیر الدین احمد خاں صاحب سے یہ منظوم رقعہ لے کر ادارۂ معارف کو بھیجا تھا۔ معارف نمبر ۶ جلد ۱۰ ص ۴۶۷/۴۶۸ - دسمبر ۱۹۲۲ء ۔ یہ اشعار نسخۂ عرشی (ص ۲۶۴) میں بھی شامل ہیں۔

# بنام ذکی دہلوی مرحوم

بندہ پرور!

آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ آپ از روے شرافت نسبی و لیاقت حسبی آفتاب مہتاب ہیں آپ کا کیا کہنا ہے۔ اس عمر میں علم و فضل میں پایۂ بلند حاصل کیا ہے کہ دوسرے کو یہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔ مثنوی کے اشعار میں نے دیکھے اور پسند کئے۔ بطریق سہل ممتنع ہیں۔ اُردو فصیح، عبارت سلیس، الفاظ نہایت سنجیدہ و متین، حرف حرف شستہ و رفتہ جو خوبیاں نظم میں چاہئیں وہ سب موجود مگر میری مدح میں اتنا مبالغہ کیوں کیا۔ میں تو اقلیم سخن کا گدائے خاک نشین ہوں۔ شہنشاہ کہاں سے ہو گیا۔ خیر آپ کی ارادت میرے لئے موجب سعادت ہے۔ جو صاحب شعر میں خود ستائی کو بُرا جانتے ہیں، کیا انھوں نے یجوز للشاعر ما لا یجوز لغیرہ نہیں سنا ہے یا اساتذہ مستند الکمال کا فخریہ کلام اون کی نظر سے نہیں گذرا۔ اللہ اللہ اس امر خاص میں کیا کیا بلند پروازی اور اپنے کلام کی کیسے کیسے مدح طرازی کی ہے۔ شیدائے عالمگیری کہتا ہے۔

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے
حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

تین شعر میں تین شاعروں کے بسبیل نمونہ یہاں لکھتا ہوں۔ باقی فائدہ کلام اہلِ سخن پر حوالے کرتا ہوں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

بہ اقلیمِ معنے رسول امینم
سنائی و فردوسی از امتانم

دوسرا اس سے بھی بڑھ کر کہتا ہے۔

بہ ملکِ سخن آں خدائے قدیرم
کہ معنی یکے باشد از بندگانم ۔

میرا بچہ ادرہی راگ گاتا ہے :

حوضِ کوثر کہ مشرب الروحست
نادوانِ زپارگین منت

نادواں بمعنی موری اور پارگین اوس گڑھے کو کہتے ہیں جس میں مطبخ اور حمام وغیرہ کا پانی جمع ہوتا ہے ۔ نعوذ باللہ من منظومات الشعرا میر صاحب میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں ۔ اس پر امراض متضادہ مزمنہ میں گرفتار ، قویٰ بالکل مضمحل اٹھنا بیٹھنا لکھنا پڑھنا سب مشکل احیاناً اگر تحریر جواب میں تاخیر ہو جائے معاف رہوں ۔ والسلام مع الوف الاحترام ! فقط :

دعائے خیر کا طالب فقیر غالبؔ

۹ر جنوری ۱۸۶۸ء بروز چہار شنبہ [1]

---

[1] نقوش مکاتیب نمبر جلد ا ص ۱۰۶ - ۱۰۷

## بنام نواب کلب علی خاں

حضرت ولی نعمت آیۂ رحمت سلامت بعد تسلیم معروض ہے۔ آج شہر میں شہرت ہے کہ حضرت امیر المرسلین نے مفتی صدر الدین مرحوم کی زوجہ کو پانسو روپے مفتی جی کی تجہیز و تکفین کے واسطے رام پور سے بھیجے ہیں۔ فقیر کو بھی توقع پڑی کہ میرا مردہ بے گور و کفن نہ رہے گا۔ جیسا کہ مرزا جلال اسیر کہتے ہیں ؎ جرعۂ لطفِ تو بعد از ما بما خواہد رسید

میں نے کل ایک خط نواب مرزا خاں کو لکھا ہے۔ خدا جانے وہ حضرت کی نظر سے گزرے یا نہ گزرے۔ اس خط میں میں نے زوجۂ مفتی جی کا حال یہ لکھا ہے کہ وہ لاولد ہے اور ساٹھ روپے کمایہ کے مکان اس کے تحت میں ہیں۔ امین الرحمٰن اس کا بھانجا ہے۔ مفتی جی کا کوئی نہیں۔ اب اپنی حقیقت عرض کرتا ہوں۔ آخر عمر میں تین التماسیں ہیں آپ سے' ایک تو یہ کہ میں ہزار بارہ سو روپے کا قرض رکھتا ہوں۔ چاہتا ہوں کہ میری زندگی میں ادا ہو جائے۔ دوسرا التماس یہ کہ حسین علی خاں کی شادی آپ کی بخششِ خاص سے ہو جائے۔ اور یہ سو روپے مہینا جو مجھے ملتا ہے اس کے نام پر اس کے حینِ حیات قرار پائے۔ یہ دو خواہشیں خواہ میری زندگی میں خواہ میرے بعد اجرا پائیں۔ تم سلامت رہو قیامت تک دولت و عزّ و جاہ روز افزوں

روز شنبہ ۵ ربیع الثانی ۲۷ جولائی سال حال۔ عرضداشت دولت خواہ اسد اللہ

لفافہ پر ۲۷ جولائی ۱۸۶۸ء درج ہے [1]

---

[1] یہ خط دارالانشا سرکار رامپور میں محفوظ ہے ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے اپنے ایک مقالے "غالب اور آزردہ" (آجکل فروری ۵۲ء ص ۲۸) میں اور ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے غالب کے تین غیر مطبوعہ خطوط (آجکل مئی ۵۲ء ص ۲۰) میں نقل کیا ہے۔ یہ خط فاروقی صاحب کے مقالے سے نقل کیا گیا ہے۔

## بنام جلیل الدین حسین ابو محمد شاہ فرزند علی (صوفی منیری)

زبدۂ اولادِ حضرت خیر الانام قبلہ و کعبہ مجموعہ اہلِ اسلام حضرت پیر و مرشد عالی مقام کی خدمت میں فقیر غالب کی بندگی قبول ہو۔ اپنے ابو الآبا کے بوڑھے غلام کو آپ نے اتنا کیوں شرمایا۔ کہ وہ بے چارہ شرم سے پانی پانی ہوا جاتا ہے۔ کافی تھا۔ اور ان اشعار کا بھیج دینا۔ اور رنگ و اصلاح کی اجازت دینی۔ تیری مدح آپ کے غلاموں کو موجبِ ننگ و عار اور میرے آبا و اجداد کو ذریعۂ عزّ و افتخار حکم بجا لایا۔ دو ایک جگہ املا کی صورت بدلی گئی۔ کہیں مصرع کی جگہ مصرع لکھا گیا۔ بے عائلہ تکلف و تملق آپ کا کلام معجز نظام ہے۔ لفظ عمدہ ترکیب اچھی معنی بلند۔ فقیر اپنا حال زار لکھتا ہے۔ اکہتر برس کی عمر، پاؤں سے اپاہج، کانوں سے بہرا، دن رات پڑا رہتا ہوں۔ دو سطریں لکھیں بدن تھرایا۔ حرف سوجھنے سے رہا۔ قوتیں ساقط، حواس مختل۔ غذا قلیل بلکہ اقل

عمر بھر دیکھا کیے مرنے کی راہ
مر گئے پر دیکھیے دکھلائیں کیا

ایامِ شباب میں کہ بحرِ طبع روانی پر تھا، جی میں آیا کہ غزوات

صاحب ذوالفقار لکھنا چاہیے۔ حمد و نعت و منقبت و ساقی نامہ و مغنی نامہ لکھا گیا۔ داستان طرازی کی توفیق نہ پائی ناچار اس آٹھ سو نو سو شعر کو چھپوا لیا۔ اغلاط برہانِ قاطع از روے انصاف نکالے اور اس کا ایک رسالہ مرتب کیا۔ قاطع برہان اس کا اسم اور درفشِ کاویانی اس کا علم۔ ان دونوں رسائل نامطبوع کا ایک پارسل میں اُن حضرت کے بھیجے اوراق بھی اس پارسل میں اور یہ خط جداگانہ ڈاک میں بھجوا دیا۔ اور توقع رکھتا ہوں کہ اس کی رسید روزِ ورود یا دوسرے دن لکھی جائے۔ [1]

(دسمبر ۱۸۶۸ء۔ فروری ۱۸۶۹ء)

---

[1] یہ خط معارف نومبر ۲۰ء (ص ۲۹۲-۲۹۳) میں چھپا تھا۔ جہاں سے غالباً مختار الدین احمد آرزو نے بغیر حوالے کے نوادرِ غالب (احوالِ غالب ص ۹۸) میں نقل کیا تھا۔ یہاں معارف سے نقل کیا جاتا ہے۔

## بنام نواب علاؤالدین خاں علائی

### جانِ غالب

دو خط متواتر تمہارے پہنچے۔ مغربی عرفا میں سے ہے۔ بیشتر اس کے کلام میں مضامین حقیقت آ گئیں ہیں لیکن داماں گلہ دارد و گریباں گلہ دارد۔ اس زمین میں اس کی غزل میں نے نہیں دیکھی۔ حاجی محمد جان قدسی کی غزل اس زمین میں ہے۔

دربزم وصال تو بہنگام تماشا نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد

یہ ایک شعر اس کا مجھے یاد ہے۔ بھائی تمہارا باپ بدگمان ہے یعنی مجھ کو زندہ سمجھتا ہے۔ میرا سلام کہو اور یہ شعر میرا پڑھ سناؤ۔

گمان زیست بود بر منت ز بے دردے بدست مرگ اے بدتر از گمان تو نیست

مجھے کافور و کفن کے فکر پڑ رہے (رہی) ہے۔ وہ شعر و سخن کا طالب۔ میں زندہ ہوتا تو وہیں کیوں نہ چلا آتا۔ مجھ پر سے یہ تکلیف اٹھوا لو۔ اور تم اسی زمین میں شعر کہہ کر بھیج دو۔ میں اصلاح دے کر بھیج دوں گا۔ عصائے پیر بجائے پیر واللہ۔ میرا کلام ہندی یا فارسی کچھ میرے پاس نہیں ہے۔ آگے جو کچھ حافظہ میں موجود تھا وہ لکھ بھیجا اب جو کچھ یاد آ گیا وہ لکھتا ہوں۔

با من کہ عاشقم سخن از ننگ و نام چیست در امر خاص حجت دستور عام چیست
بستم ز خون دل کہ دو چشمم ازاں پر است گوئی بخور شراب و نہ بینی بجام چیست
یا دوست ہر کہ بادہ بخلوت خورد مدام داند کہ خورد کوثر و دار السلام چیست
با خستہ غمیم و نبود مے درائے ما با خستگان حدیث حلال و حرام چیست
از کاسۂ کرام نصیب است خاک را تا از فلک نصیبۂ کاسِ کرام چیست

غالبؔ اگر نہ خرقہ و مصحف بہم فروخت
پرسد چرا کہ نرخِ مے لعل فام چیست

، شعر نہ یاد آئے یہ یاد آگئے۔ خیر گانے کو یہ بھی کافی دلکش ہیں۔

دل برد و حق آنست کہ دلبر نتواں گفت
بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت

در ازنگہش ناچخ و خنجر نتواں برد
در بزمگہش بادہ و ساغر نتواں گفت

رخشندگی ساعد و گردن نتواں جست
ز بندگی یارہ و پرکر نتواں گفت

پیوستہ دہہ بادہ و ساقی نتواں خواند
ہموارہ ترا شد بت و آذر نتواں گفت

در گرم روے سایہ و سرچشمہ نجوئیم
با ما سخن از طوبے و کوثر نتواں گفت

ہنگامہ سرآمد بہ زنے دم ز تظلم
گر خود ستمی رفت بمحشر نتواں گفت

آں از کہ در سینہ نہانست و عظا است
بردار تواں گفت بہ منبر نتواں گفت

کارے عجب افتاد بدیں شیفتہ مارا
مومن نبود غالبؔ و کافر نتواں گفت

کوئی اُمید بر نہیں آتی
کوئی صورت نظر نہیں آتی

آگے آتی تھی حالِ دل پہ ہنسی
اب کسی بات پر نہیں آتی

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

داغِ دل گر نظر نہیں آتا
بُو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالبؔ
شرم تم کو مگر نہیں آتی

نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سناے نہ بنے — کیا بنے بات جہاں بات بناے نہ بنے

میں بلاتا تو ہوں اسکو مگر اے جذبۂ دل — اس پہ بن جائے کچھ ایسی کہ بن آے نہ بنے

اس نزاکت کا بُرا ہو وہ بھلے ہیں تو کیا — ہات آئیں تو اُنھیں ہات لگاے نہ بنے

بوجھ وہ سر سے گرا ہے کہ اُٹھاے نہ بنے — کام وہ آن پڑا ہے کہ بناے نہ بنے

غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر — کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپاے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگاے نہ بنے اور بجھاے نہ بنے

---

نقوش۔ مکاتیب نمبر۔ جلد ۱ ص ۱۰۹ - ۱۱۱

## بنام عبدالحق

نہ بھائی یہ نہ سمجھو سلطان بہ معنی مصدر آتا ہے۔ سلطنت اگرچہ من حیث القیاس صحیح ہے۔ لیکن ٹکسال باہر ہے۔ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ لکھتے ہیں۔ منشیانِ ایران و روم و ہند سب یوں ہی لکھتے آئے ہیں۔ ضمان بھی بہ معنی ضامن اور بھی بمعنی ضمانت، سلطان بھی بہ معنی بادشاہ اور بھی بمعنی سلطنت اس میں کچھ تامل نہ کرو۔ کس کی مجال ہے جو اس پر ہنس سکے۔ لیکن ملکہ و سلطانہ علامتِ تذکیر ہے۔ اگر ملکہا و سلطانہا بن جائے تو بہتر ہے ورنہ خیر یوں ہی رہنے دو۔ ہم سے کوئی پوچھے گا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ برعایت شکوہ و سلطنت ہم نے تانیث کی رعایت نہ کی۔ اور سچ تو یوں ہے کہ اگر کاتب سگھڑ ہو تو ہائے ہوز کا شوشہ مٹا دینا اور الف بنا دینا دشوار نہیں ہے۔ بن سکے تو بنوا دو۔ اور سلطانہ کو خدا کے واسطے مت بدلنا۔ یہ بلغائے عرب و عجم کا قرارداد ہے۔ بعد اس سب تقریر کے یہ عرض ہے کہ پرسوں پنجشنبہ کو عرضی لکھی ہوئی میرے پاس آجائے۔ ۱۲

غالب ۱۲

---

غالب کا یہ خط عبدالحق کے نام ہے۔ ادارۂ اردو (اپریل ۴۲ ۱۹ء ص ۱۵۱-۱۵۲) نے یہ خط بغیر کسی حوالے کے شائع کیا ہے۔ "ہمایوں" لاہور (جولائی ۴۲ ۱۹ء ص ۳۳۸) میں بھی عبدالحق کے نام یہ خط نقل کیا گیا ہے۔

## بنام حبیب اللہ ذکا[۱]

بندہ پرور! پرسوں مولوی صاحب کا خط آیا۔ ماکتب فیہ بسبیل نقل یہ ...... (جگہ چھوڑ دی ہے) آج مسودہ عرضداشت کا جو آپ نے مجھ کو بھیجا تھا، پیش گاہ آقائی نامدار گزرانا، اور اپنے نام کے خط کا بھی پیش کرنا مناسب جانا۔ بعد ملاحظے کے یوں ارشاد ہوا کہ قصیدہ اور عرضداشت کی تفتیش اور تلاش کی جاوے، جو دارالانشاء میں ملی تو جواب لکھا جاوے۔ یقین ہے کہ بعد گرد آوری کاغذات کے اگر عرضداشت مل گئی یا قصیدہ نکل گیا تو جواب ملے گا۔ ۱۲

اب میں بقول صائب

در ماندۂ کار خودم حیران اطوار خودم

ہر لحظہ وارد نیستی چوقرعۂ رمال ہا

یوں سمجھا ہوا تھا کہ نوں لفافے جو علی التواتر یکے بعد دیگرے ارسال ہوئے ہیں متواتر دارالانشاء میں پہنچے اور منشی نے چاک کر کے پھینک دیے ہوں۔ مانا کہ یوں ہی ہوا، بشرطِ التفات مولانا میرا مطلب اس صورت بھی فوت نہیں ہوتا یعنی مولوی صاحب کہہ سکتے ہیں کہ جو نذر اس کی میری معرفت گزری ہے اس کے قبول ہونے کی عز اطلاع میں وہی لکھا جائے جو قصیدہ عرضداشت کے گزارنے کے بعد لکھا جاتا۔ مولوی موید الدین صاحب جو حضرت کے مقرب اور اوس حضرت میں میرے متقرب ہیں، یہ کلمہ موجز کہہ

سکتے ہیں۔ مگر میں اُن سے نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ نوٹ کاغذ دفتر سے نکل کر پیش ہوے یا نہیں۔ ۱۲

آگے اس سے جس دن دیوان کا پارسل اور خط مولانا کو بھیجا ہے۔ اس کے دوسرے دن ایک پارسل اور ایک خط آپ کو میں نے بھیجا ہے۔ آج تک اس پارسل کی رسید میں نے نہیں پائی۔ سخت مشوش ہوں۔ اگر وہ پارسل پہنچ گیا ہے تو اس کی رسید لکھیے۔ اور اگر نہیں پہنچا تو وہاں کے ڈاک گھر میں دریافت کیجیے اور میرے اس خط کا جواب لکھیے

نجات کا طالب

غالب ۱۲

ہاں۔ خوب یاد آیا وہ قصیدہ بھی اس کلیات میں مطبوع ہو گیا ہے۔ صفحہ ۴۴۳ سطر ۱۲۔ دفتر سے قصیدے کا کاغذ نکلنے کی صورت میں بھی قصیدہ ممدوح کی نظر سے گزر سکتا ہے۔

والسلام مع الاکرام [1]

---

[1] مرزا حسین علی خاں مرحوم شعبۂ انگریزی جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد کے پاس ایک دیوان صائب کا ایک قلمی نسخہ تھا۔ سید مبارز الدین رفعت کا خیال ہے یہ نسخہ ذکا کی ملک رہ چکا ہے۔ اسی دیوان میں سے غالب کا یہ خط نکلا تھا۔ جسے رفعت صاحب نے نگار (اپریل ۵۹ ص ۹/-۱۰) میں نقل کیا ہے۔ اب یہ خط سنٹرل لائبریری حیدرآباد دکن کی ملک ہے۔

## بنام مینا مرزا پوری

بندہ پرور!

کل دوپہر کو آپ کے عنایت نامہ کے ساتھ ہی جناب انگر کا مہربانی نامہ معہ غزل پہنچا۔ آج جواب آپ کو لکھتا ہوں۔ غزل میں نے دیکھ لی۔ سوائے دو ایک جگہ کے کہیں اصلاح کی حاجت نہ تھی۔ آج اس فن میں وہ یکتا ہیں۔ خدا اُن کو سلامت رکھے۔ وہ بلا مبالغہ سراپا تصویر محبت ہیں۔ نظم تو نظم اُن کے نثر کے فقرے بھی قیامت ہیں۔ اس دوبارہ عطیہ اور اس یاد آوری کا احسان مانا۔ میری جانب سے قدر افزائی کا شکریہ ادا کر دیجیے گا۔ کہ حضرت نے اس ہیچمرز ہیچمدان کو قابل خطاب و لائق جواب سمجھا۔ میں دروغ گو نہیں۔ خوشامد میری خو نہیں، غزل دیکھی، الفاظ متین، معانی بلند، بندش دل پسند، مضمون عمدہ، سوائے دو ایک جگہ کے اور غزل بھر میں ایک نقطے کی بھی گنجائش نہ تھی۔ اصلاح کیا دیتا بجنسہ واپس کرتا ہوں۔

اب یہاں سے روئے سخن حضرت انگر کی طرف ہے۔

قبلۂ حاجات، میرا حال کیا پوچھتے ہیں۔ زندہ ہوں مگر مُردے سے بدتر، جو حالت میری آپ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما گئے تھے اب تو اُس سے بھی بدتر ہے۔ مرزا پور کیا آؤں، اب سوائے سفرِ آخرت اور کسی سفر کی نہ مجھ میں طاقت ہے نہ جرأت، جوان ہوتا تو احباب سے دعائے صحت کا طلبگار ہوتا۔ بوڑھا ہوں تو دعائے مغفرت کا خواہاں ہوں ؎

دمِ واپسیں بر سرِ راہ ہے عزیزو اب اللہ ہی اللہ ہے

سچ تو یہ ہے کہ قوتِ ناطقہ پردہ تصرف اور قلم میں وہ زور نہ رہا۔

طبیعت میں وہ مزا۔ سر میں وہ سودا کہاں۔ پچاس پچپن برس کی مشق کا کچھ ملکہ باقی رہ گیا ہے۔ اس سبب سے فن کلام میں گفتگو کر لیتا ہوں۔ حواس کا بھی بقیہ میرے اس شعر کا مصداق ہے ؎

مضمحل ہو گئے قویٰ غالبؔ وہ عناصر میں اعتدال کہاں

حوادث زمانہ و عوارض جسمی سے نیم جاں ہوں۔ اس سرائے فانی میں اور کچھ دنوں کا مہمان ہوں ؎

ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

جب تک جیتا ہوں نامہ و پیام سے شاد بعد میرے دعائے مغفرت سے یاد فرماتے رہیے گا۔ سانس میری زبان پر مذکر ہے رندؔ کا یہ مطلع ؎

سانس دیکھی تنِ بسمل میں جو آتے جاتے اور خنجر کا دیا جلا دیتے جاتے

میرے لئے سند نہیں۔

بندہ پرور، لکھنؤ اور دہلی میں تذکیر و تانیث کا بہت اختلاف پایئے گا۔ سانس میرے نزدیک مذکر ہے لیکن اگر اہلِ لکھنؤ اُسے مؤنث کہیں تو میں اُن کو منع نہیں کر سکتا خود سانس کو مؤنث نہ کہوں گا۔ آپ کو اختیار ہے جو چاہے کہیئے، مگر جفا کے مؤنث ہونے میں اہلِ دہلی و لکھنؤ کو باہم اتفاق ہے۔ کبھی کوئی نہ کہے گا جفا کیا

چشم بد دور حضرت کی طبیعت نہایت اعلیٰ اور مناسب اس فن کے ہے۔ اللہ نگاہِ بد سے محفوظ رکھے۔

نجات کا طالب

غالبؔ

---

یہ خط مرقع ادب (جلد ۲ ص ۲۱ - ۲۲) سے لیا گیا۔ اس پر کوئی تاریخ تحریر نہیں ہے

## بنام مرزا یوسف علی خاں[1]

سعادت و اقبال نشاں مرزا یوسف علی خاں کو بعد دعا کے دل نشیں ہو کہ تانیث و تذکیر ہرگز متفق علیہ جمہور نہیں۔ اے لو لفظ اس ملک کے لوگوں کے نزدیک مذکر ہے۔ اہلِ پورب اس کو مونث بولتے ہیں۔ خیر جو میری زبان پر ہے وہ میں لکھ دیتا ہوں۔ اس باب میں کسی کا کلام حجت و برہان نہیں ہے۔ ایک گروہ نے کچھ مان لیا ایک جماعت نے کچھ جان لیا۔ اس کا قاعدہ منضبط نہیں۔ الف مذکر ب ت ث مونث ج مذکر ح خ مونث دال ذال مونث رے زے مونث سین شین مذکر ص ض ط ظ مونث عین غین مذکر ف مونث قاف کاف لام میم نون مذکر، واؤ ہے ی مونث ہمزہ مذکر، لام الف حروف مفردہ میں نہیں مگر بولنے میں مذکر بولا جائے گا۔ لام الف کیا خوب لکھا ہے کہیں گے۔ کیا خوب لکھی ہے نہ کہیں گے۔

خزادہ خداوند زادہ کا مخفف ہے۔ لیکن فارسی نہیں عربی نہیں اُردو کا روزمرہ تھا۔ خزادہ، خزادی مرادف صاحبزادہ، صاحبزادی ہے مگر فی زمانناً متروک ہے۔ "فق" فارسی لغت نہیں ہو سکتا عربی بھی نہیں، روزمرّہ اُردو ہے۔ جیسا کہ میر حسن کہتا ہے۔

کہ رستم جسے دیکھ رہ جائے فق

شعرائے حال کے کلام میں نظر آتا "تکیہ" لفظ عربی الاصل فارسی اُردو میں مستعمل دونوں زبانوں میں ہم بمعنی بالش اور ہم بہ معنی مکانِ فقیر آتا ہے۔ ایران میں تکیہ صاحب مشہور ہے۔ "گل تکیہ" لفظ مرکب ہے۔ ہندی اور فارسی سے گل مخفف گال کا اور تکیہ بمعنی بالش وہ چھوٹا گول تکیہ جو رخسار کے تلے رکھیں گل تکیہ کہلاتا ہے۔ گل بمعنی

پھانسی انگریزی لغت ہے۔ انگریزی زبان سے بنگالہ میں سو برس سے اور دلی، اکبرآباد میں ساٹھ برس سے رواج پایا ہے۔ گل تکیہ وضع کیا ہوا نورجہاں بیگم کا ہے۔ جہانگیر کے عہد میں اہلِ ہند کیا جانتے تھے کہ گل کیا چیز ہے۔

معنی مفرد بہ تلفظ جمع اس جملے کو میں اچھی طرح نہیں سمجھا۔ معنی مفرد معانی جمع اور یہ جو اُردو کے محاورے میں تقریر کرتے ہیں کہ اس شعر کے معنی کیا ہیں یا اس شعر کے معنے کیا خوب ہیں۔ اس میں دخل نہیں کیا جاتا۔ خاص و عام کی زبان پر یوں ہی ہے بمعانی کی جگہ معنے بولتے ہیں۔ "رَت" لفظ ہندالاصل رتھ ہے بہ ہائے مفرد بعض مذکر بولتے ہیں بعض مونث ۱۲

شعر بہت اچھا ہے صاف و ہموار۔

راقم غالب

---

یہ خط مرزا غالب کا ایک غیر مطبوعہ رقعہ: ادارہ کے تحت اُردو (جنوری ۱۹۳۱ء ص ۷۱-۷۲) میں شائع ہوا تھا۔ ادارے کو یہ خط سید فرخ حیدر بے اے ایل۔ ایل۔ بی (علیگ) شمس آباد۔ فرخ آباد نے بھیجا تھا۔

## بنام عزیز صفی پوری

سخن شناس نہ ٔ دلبرا خطا ایں جاست۔ یہ جملہ کہ یا میرا شعر نکال ڈالو۔
یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو۔ موجب ملال خاطر کیوں ہوا۔ اور اس سے یہ مفہوم
کیوں کر پیدا ہوا۔ کہ میں تمہارے کلام کو اصلاح نہ دوں گا۔ تمہیں غور کرو کہ شعر کو علاقہ
تخلص سے ہے یا نام سے..... عرف سے۔ میں نے تو اصلاح دی تم نے بُرا
مانا۔ ذہن تمہارا معوج ہے۔ اکثر کجی کی طرف جاتا ہے۔ تمہاری اس نثر میں حک و اصلاح
کی گنجائش نہیں۔ پنج رقعۂ سابق سے لفظاً و معناً تمہاری عبارت بہتر ہے۔ اس
قول کو باور نہ کرو گے۔ تو منشا اس کا وہی اعوجاج طبع ہو گا مع سوء ظن۔

نجات کا طالب

غالب

---

نقوش۔ مکاتیب نمبر۔ جلد ۱ ص ۱۰۸ - ۱۰۹

## بنام عزیز صفی پوری[1]

خان صاحب عنایت مظہر سلامت!

آپ کا مہربانی نامہ آیا۔ اوراق پنج رقعہ[2] نظر فروز ہوئی۔ خوشامد فقیر کا شیوہ نہیں۔ نگارش تمہاری پنج رقعہ سابق کی تحریر سے لفظاً و معناً بڑھ کر ہے۔ اس میں یہ معانی نازک اور الفاظ آبدار کہاں؟ مگر ایک امر سے تمہیں آگاہ کرتا ہوں کہ یہ نثر ظہوری کی نہیں ہے۔ ارادت خاں متخلص بہ واضح عالم گیری سرداروں میں سے ایک شخص تھا۔ مینا بازار[3] اور پنج رقعہ اس کی فکر کر نتیجہ ہے۔ توالی کسرات کی طرز ایجاد کی ہوئی اس کی ہے۔ موجد سے مقلد بہتر نکلا۔ یعنی تم نے خوب لکھا ہے۔

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

جہاں آپ نے فقیر کا مطلع لکھوایا ہے وہاں آپ بہ عرف میرے معرف ہوئے ہیں۔ متوقع ہوں کہ یا شعر نکال ڈالو یا عرف کی جگہ تخلص لکھ دو۔

نجات کا طالب: غالب

---

[1] نقوش۔ مکاتیب نمبر جلد ا ص ۱۰۸

## بنام معلوم

بندہ پرور!

آج میں نے وہ انگریزی عرضی روانہ کر دی۔ اور صبح کو آپ کا کہار مسودہ اور میرے محسن کا رقعہ آپ کے نام کا مجھ کو دے گیا۔ اس عنایت کی شکر میں کیا خدمت بجا لاتا۔ بارے ایک رباعی بھیجتا ہوں۔ اس کو آپ پڑھ کر اور لطف اٹھا کر راجہ صاحب کی خدمت میں بھجوا دیجیے۔

امید بہ تشدید میم و تخفیف میم دونوں طرح مستعمل ہے ایسا نہ ہو کہ جناب ممدوح اس کو زحاف سمجھیں۔ پہلے اور دوسرے مصرع میں بہ تخفیف میم ہے۔ تیسرے مصرع کا میم مشدّد ہے۔

غالب

---

نقوش۔ مکاتیب نمبر جلد ا ص ۱۰۹ بقول اکبر علی خاں (یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ رقعہ کس کے نام ہے)

ایک جعلی خط

# بنام صفیر بلگرامی

مولوی سید فرزند احمد ...... (کذا) اس پیر ہفتاد سالہ کی دعا پہنچے۔ آج میں نے لیٹے لیٹے حساب کیا کہ یہ سترواں برس سمجھے جاتا ہے۔ ہائے

سنین عمر کے ستر ہوئے شمار برس
بہت جیوں تو جیوں اور تین چار برس

نامۂ محبت افزا کو دیکھ کر آنکھوں میں نور دل میں سرور آیا۔ اور قصہ سرورش سخن اس کے دوسرے دن پہنچا.... (کذا) قصہ دیکھا۔ آپ کے جوہر طبع کی لمعانی اور نیر فکر کی درخشانی بہت جگہ پر پسند آئی۔ اگرچہ وہ قصہ تو بچوں کے سلانے کی کہانی ہے۔ مگر محنت کی گئی ہے۔ ہاں اگر فسانۂ عجائب کا مقابلہ کیا ہے تو کیا کہوں کہ کیا کیا ہے۔ ابھی دیکھتا ہوں۔ آئندہ اس کی کیفیت سے اطلاع دی جائے گی.... (کذا) جابجا لاچار لکھا ہے.... (کذا) لاکا لگانا کاتب کی جہالت ہے.... (کذا) ہائے خدا کی مار کاتمان ناہنجار پر میرا دیوان اور پنج آہنگ اور مہر نیم روز ستیاناس کر کے چھوڑ دیا.... (کذا) لو بس اب میں نواب ضیاء الدین خاں سے باتیں کر رہا ہوں۔ تمہارے خط کے جواب نے اتنی دیر تک ان کو چپکا بیٹھا رکھا۔ اور وہ بھی تم کو سلام اشتیاق آمیز پہنچاتے ہیں..... (کذا)

---

غالب کا یہ خط صفیر کے پوتے سید وصی احمد بلگرامی نے اپنے ایک مضمون "س سش ص" (ندیم گیا کے بہار نمبر ۱۹۲۵ء) میں نقل کیا تھا۔ قاضی عبدالودود نے معتبر دلائل کے ساتھ "غالب کے خطوط صفیر بلگرامی کے نام" (آج کل اگست ۵۲ء) میں اس خط کو جعلی ثابت کیا ہے۔ یہ خط آج کل سے نقل کیا گیا ہے۔

# نثر

## صوفی کی مثنوی لواء الحمد پر غالب کی اصلاح

جس مصرع کے آگے قوسین میں غالب لکھا ہے وہ غالب کی اصلاح ہے۔

### حمد

مصحفِ خلق ہے تصنیف اوس کی — "سب یہ آیات ہیں تعریف اوس کی"

ہے سب آیات ہیں تعریف اوس کی (غالب)

تجھ پہ روشن ہے مری چشمِ اُمید — تجھ سے روشن ہو مری چشم سفید

(یہ شعر غالب نے قلمزد کر دیا)

دے رسائی کہ یہ ہو عرش خرام — ذہن میرا کرے ملہم کا کام

الہام (غالب)

---

### نعت

اک مقام ادنیٰ سا اُس کا قوسین — عرش و کرسی تہِ پا چوں نعلین

یہ شعر غالب نے قلمزد کر دیا۔ اور وجہ یہ لکھی۔

یہ شعر دو سبب سے کٹا، ایک تو یہ کہ قوسین اور نعلین دونوں جگہ تثنیہ کا "یے نون" ہے۔ یہ قافیہ جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ عرش کی توہین ہے۔ (غالب)

---

خلق سے تھا وہ دلفروز مراد — صبح کے ہونے سے ہے روز مراد

دل افروز (غالب)

باز چوں شمس کند جلوہ گری        بے فروغ است چراغ سحری

(غالب نے یہ شعر قلمزد کر دیا)

خاک تاباں کی نہ ہو کحلِ بصر        نہ کھلے شاہد "مطلب" پہ نظر

پڑے (غالب)

پاؤں کی جا سر تعظیم سے یاں        سر کے بل چلتے ہیں شاہانِ جہاں

مرزا نے پاؤں کی آخری "ن" کو کاٹ کر لکھا ہے۔

"پانو قافیہ چھانو اور گانو کا ہے۔ آگے اس کے نون لکھنا غلط ہے۔

مگر ہاں بصیغۂ جمع یوں لکھنا چاہیے "پانوؤں" ۱۲ (غالب)

خضر کو خدمتِ شربت داری        اور موسیٰ کو عصا برداری

"شربت داری لفظ غریب ہے آبداری کا مرادف نہیں ہو سکتا۔" ۱۲ (غالب)

طرقوا گو تھی مسیحا کی زباں        یاتی بعدی اسمہ احمد تھا بیاں"

دوسرے مصرع کے آگے غالب نے لکھا ہے۔ "تقطیع نا درست" اور یوں

اصلاح کی ہے۔ "آیت اسمہ احمد تھا بیاں" (غالب)

راہ میں اس کے ہزاروں فرسنگ        "رشک صد طور" تھا ہر ریزۂ سنگ

"غیرت طور" (غالب)

شبِ معراج فلک سے گذرا        "رتبہ جن و ملک" سے گذرا

"سرحد ملک ملک" (غالب)

جگ طبیعت کے جو پو سے ٹوٹے        واں میں چھکے جہت سے ٹوٹے

مرزا نے یہ شعر قلمزد کر دیا۔

بشر اس راز سے کیا ماہر ہو        "روح الاعظم" پہ نہ جب ظاہر ہو

"روح اعظم" (غالب)

## مناجات

صوفی اب وقت مناجات کا ہے ”واسطہ“ قبلۂ حاجات کا ہے

”سامنا“ (غالبؔ)

---

ہمہ تن جلوۂ رعنائی ہے سربسر ”طلعتِ زیبائی“ ہے

”عالمِ زیبائی“ (غالبؔ)

---

نسل سے اوس کی کئی کرسیوں تک ویسی ہی عطر کی آتی تھی مہک

”پشتوں“ (غالبؔ)

---

موج زن بحر کہ ہے آبِ حیات خضر خامہ ہے سیاہی ظلمات

بحر سے (غالبؔ)

## دہن مبارک

”تھی فراخی مگر انداز کے ساتھ“ روح داؤد تھی آواز کے ساتھ

تھی فراخی عجب انداز کے ساتھ

صوفی نے پہلا مصرع دو طرح لکھا تھا غالب نے ”عجب“ قلمزد کر کے ”مگر“ رہنے دیا۔

---

## شانۂ معلّیٰ

حق نے دی انگوشہنشاہی دی ”کی عطا مہر نبوت کی نگیں“

”سونپ کر مہرِ نبوت کا نگیں“ (غالبؔ)

نگیں اور نگینہ مذکر ہے مونث نہیں۔ (غالبؔ)

---

ہم ہیں یا گوشۂ محرومی ہے "سخت مغمومی ہے مغمومی ہے"
"سخت محرومی و مغمومی ہے" (غالب)

---

عاصیوں "کے" تجویہ دولت ہو نصیب منہ تکیں نیک تماشا ہو عجیب
"کو" (غالب)

---

نعت جو لکھی ہے اے پاک نبی معترف "ہیں" کہ ہوئی بے ادبی
"معترف ہوں" (غالب)

---

---

. مولوی مہیش پرشاد مرحوم کو اصل مسودہ صوفیؔ کے پوتے سید شاہ محمد عثمان ابدالی نے دیا تھا۔ مولوی صاحب نے ہندوستانی (جنوری ۱۹۳۵ء ص ۳۲/۳۳) میں یہ مسودہ نقل کیا ہے۔ یہاں ہندوستانی سے نقل کیا گیا۔ جن اشعار پر غالب نے "ص" لکھ دیا تھا۔ انھیں نقل نہیں کیا گیا۔

## دو فارسی شعروں کے مطالب

شباہتے است مرآں را کہ بر نیامدہ است
دگر نہ موے بہ باریکی میانِ تو نیست

سب کمر کو بال باندھتے ہیں، شاعر کہتا ہے کہ استغفر اللہ، بال کو کیا نسبت ہے کمر سے کہ نظر آتی ہی نہیں، اور بال نظر آتا ہے۔ ہاں وہ بال جو ابھی نہیں اُگا۔ اور نہیں نکلا اُس کو کچھ مشابہت ہے کمر کے ساتھ۔

در صفحہ بنودم ہمہ آنچہ در دل ست
در بزم کمتر ست گل و در چمن بسے است

پھول باغ سے آیا کرتے ہیں۔ باغ میں ہزاروں پھول ہوتے ہیں، مجلسوں میں دس دس پانچ پانچ ہوتے ہوں گے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے مضامین پھول ہیں، اور میرا دل چمن ہے اور صفحہ انجمن ہے مضامین اتنے ہی نہ تھے، جو دیوان میں آگئے۔ چمن میں پھول اور دل میں معنی بہت ہیں۔ [1]

---

[1] یہ عبارت (آثارِ غالب ص ۷) سے نقل کی گئی ہے۔

# غالبؔ کی ایک تحریر

سبحان اللہ سارٹیفکٹ لکھنے کا کس وقت میں اتفاق ہوا ہے کہ میں
نیم جان چند روز کا مہمان ہوں۔ مہینا بھر سے غذا بالکل مفقود صرف
گوشت کے پانی پر مدار ہے۔ اگر اٹھوں تو دورانِ سر سے گر پڑوں۔
سیّد محمد ذکریا خاں نسب میں سیّد امیر زادۂ عالی دودمان اُن کے
بزرگ وزارت کا منصب پا چکے ہیں۔ جاگیر اب تک تھی۔ پھر بعوض
جاگیر پنشن مقرر ہوئی۔ معہذا یہ شخص بذاتِ خود نیک اور صاحبِ علم
اور متواضع اور دانش مند اور نیک طینت اور رنگین طبع معنی سے
طبیعت کو علاقہ اچھا ہے۔ شعر کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ اس فن
میں میرے شاگردِ رشید ہیں۔

اسد اللہ خاں غالبؔ

| ۱۲۸۳ھ |
| --- |
| محمد اسد اللہ خاں |

[1]

---

[1] سید محمد ذکریا خاں زکیؔ دہلوی کے دیوان مطبوعہ ۱۸۹۵ء میں غالبؔ کی یہ تحریر بھی شامل ہے۔ مرتضیٰ حسین فاضلؔ نے آج کل (مارچ ۱۹۵۱ء ص ۴۷) میں نقل کی ہے۔ یہاں آج کل سے نقل کی جاتی ہے۔ اُن کے نام غالبؔ کا ایک خط بھی "غالبؔ کی نادر تحریریں" میں شامل ہے۔

# دیباچہ لطائفِ غیبی[1]

سیاحِ بحر و بر، ہیچ مدانِ بے ہنر، سیف الحق، میاں داد خاں حق شناسوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ میں رہنے والا اورنگ آباد دکن کا ہوں۔ میں نے بعد تحصیل علم رسمیہ سیاحت اختیار کر کے بنگالہ، دکن، پنجاب، وسطِ ہند، بلاد و قریٰ کے کہاں تک نام لوں، قلمرو ہند میں سر تا سر پھرا ہوں بلکہ سندھ و کابل و کشمیر و قندھار بھی دیکھ آیا ہوں۔ ان دنوں میں دو رسالے نثر کے میری نظر سے گزرے۔ ایک قاطع برہان اور ایک محرقِ قاطع برہان۔ پہلا نسخہ یعنی قاطعِ برہان کا مؤلف ایک شخص ہے، معزز اور مکرم والا رتبہ عالی شان، عالی خاندان، انگریزی رئیس زادوں میں محسوب، بادشاہ دہلی کے حضور سے مخاطب بہ نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ یعنی غالبؔ تخلص اسد اللہ خان بہادر۔ اور محرق کا جامع کوئی شخص ہے رعایائے دہلی میں سے کہ کبھی کسی زمانے میں کسی محکمۂ انگریزی کا سر رشتہ دار ہو گیا تھا اور اب خانہ نشین ہے، موسوم بہ منشی سعادت علی نہ نثر سے واقف نہ نظم سے آگاہ، نہ عقل کا سرمایہ نہ علم کی دستگاہ۔ کسی بستی میں، کسی گاؤں میں، کسی گھاٹ پر، کسی باٹ پر اس بزرگ کا نام کسی سے نہیں سُنا۔ اللہ اللہ غالب نام آور نامدار کوئی شہر ایسا نہ دیکھا، جس میں اُن کے دو چار شاگرد دس بیس معتقد نہ دیکھے ہوں، ایک عالم اُن کی فارسی دانی، اور شیوا بیانی کا معترف، نظم میں ملا ظہوری و نظیری و عرفی کے برابر نثر میں نثاران سابق و حال سے بہتر، کلیاتِ نظم نسخہ سحر سامری، نثر میں پنج آہنگ سلکِ دُرِ خوش آب دستنبو گوہرِ نایاب

مہرِ نیم روز، غیرتِ آفتاب، ہر نکتہ ایک کتاب، ہر کتاب ممتنع الجواب، جو بلاغت، اور فصاحت کو جانتے ہیں اور معنی کا حسن پہچانتے ہیں، متفق علیہ اُن کا یہی عقیدہ ہے۔ اگر ایک آدمی کو عوام میں سے یہ عقیدہ نہ ہوا، تو وہ آدمی بے شک ایک گروہ کا مردود ہوگا۔

'گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ'

محرق کی عبارت واہ کیا کہنا ہے۔ مبتدا کچھ، خبر کچھ، روابط نامربوط، ضمائر محذوف، اوّل سے آخر تک، سوال دیگر جواب دیگر کا التزام عبارت یک قلم حشو اور حشو بھی قبیح، باایں ہمہ وہ رسالہ سراسر بغض و عناد و سوءِ ظن و حمق و خبط و سب و فحش کا مجموعہ ہے۔ آیا خاطرِ میمونِ منشی صاحب میں کیا آیا جو اس رسالے کی تحریر کا قصد فرمایا۔ کتاب خوگیر، عبارت خوگیر کی بھرتی، جو اشعار برسرِ چشم واستِ سند لکھے ہیں، زیرِ تنگ زیرِ تنگ، سوار نابینا مرکب کہنہ لنگ، کتاب گدڑی، ہر فقرہ ٹکڑا ہر ٹکڑے کا نیا رنگ۔ کیا منشی جی نے یہ قیاس کیا ہے کہ تمام ہندوستان میں کوئی عالم، کوئی عاقل، کوئی منصف نہیں ہے۔ اللہ اللہ ہندوستان مجمعِ فضل و کمال ہے۔ منشی جی کے حمق کا پردہ کھُل جائے گا۔ بلکہ مولانا غالب کا ایک ایک شاگرد منشی جی کا خاکہ اڑائے گا۔ مجھ کو تو حمیت اور رعایت حق اس تحریر کی باعث ہوئی۔ تاکہ میں نے بیس لطائف جمع کیے اور اس نگارش کا لطائفِ غیبی نام رکھا۔

درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ استادِ ازل گفت بگوہمی گویم [1]

---

[1] قاطع برہان کے مباحثے میں غالب کے مخالفین میں سے ایک صاحب سید سعادت علی نے "محرق قاطع برہان" لکھی تھی۔ اس کے جواب میں 'لطائف غیبی' لکھی گئی جس پر مصنف کی حیثیت سے میاں داد خاں سیاح کا نام تھا۔ مالک رام صاحب کا خیال ہے کہ یہ کتاب خود غالب کی تصنیف ہے اور مصلحتاً اس پر انکے شاگرد میاں داد خاں کا نام لکھا گیا (ذکرِ غالب۔ ایڈیشن سوم ص ۱۸۶-۱۹۲) یہ دیباچہ اُس کتاب کا ہے۔ قاضی عبدالودود صاحب نے "آثارِ غالب" ص ۱-۲ میں بھی نقل کیا ہے۔ یہاں، لطائف غیبی مطبوعہ اکمل المطابع دہلی سے نقل کیا گیا ہے۔

# دیباچہ تیغ تیز

اللہ جل شانہٗ اپنے بندوں کو ورزشِ امورِ خیر کی توفیق دے۔ اچھا ہے
وہ بندہ جس کو ظلم کی خو نہ ہو اور ظلم کی انواع ہیں۔ ازاں جملہ ایک سخن پروری
ہے کہ اُس کو بے ایمانی بھی کہا چاہیئے۔ یعنی کتمانِ حق اور اعلانِ باطل بہ اصرار۔
اسد اللہ خاں غالبؔ کہتا ہے کہ میں نے خاص نظر بہ اعلانِ حق برہانِ قاطع
کی عبارت کی سستی اور بیان کی غلطی اور اطناب عمل کی نکوہش میں ایک رسالہ
لکھا اور اس کا نام قاطع برہان اور درفش کاویانی رکھا۔ جب بعد انطباع
وہ رسالہ مشتہر ہوا تو پہلے پہل اس مثلِ ہندی کے مطابق 'بیل نہ کودا کودی گون'
ایک مردِ بے مغز، معوج الذہن نہ فارسی داں، نہ عربی خواں نے میری نگارش
کی تردید میں ایک کتاب بنائی اور چھپوائی۔ محرق قاطع اس کا نام رکھا اور اُس
کو مشتہر کیا۔ میرے ایک یار نے اُس کتاب کے جواب میں کچھ لطائف جمع کیے
اور لطائف غیبی اُس کا نام رکھا۔ وہ نسخہ بھی مشہور ہوا۔ پھر ایک مرزا رحیم بیگ
میرٹھ کے رہنے والے بہ روے کار آئے اور ایک تحریر مسمّٰی بہ ساطعِ برہان نکال
لائے۔ مطالب مندرجہ لغو بیشتر محرق قاطع کے مضامین منقول۔ فقیر نے صرف ایک خط
مرزا جی کو لکھا۔ زیادہ اس طرف التفات کو تضیعِ اوقات جانا۔ ثالثاً میاں
امین الدین کہ اب پٹیالہ میں ملقب بہ مدرّس ہیں انھوں نے ایک قاطع القاطع
چھپوایا۔ استعداد علمی ہیں سے بعد صرف مقاصد نحو و صرف فارسیت کی اسی قدر
رعایت منظور رکھی کہ فقیر کے بعض فقروں کی ترکیبیں اپنی عبارت کے قالب میں
ڈھالیں۔ باقی سوائے عربی قشری اور فارسی مسروقہ کے وہ مغلظ گالیاں دی ہیں

جو کنجڑے، بھٹیارے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ کمال یہ کہ اُن کا منطق ہندی اور حضرت کی عبارت فارسی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کئی جُلاہے اِن دنوں میں علم تحصیل کر کے مہذّب ہو گئے ہیں، عمامہ باندھے ہوئے پڑے پھرتے ہیں۔ فحش نہیں بولتے، خلاف اپنی قوم کے صاحب و قبلہ اُن کا روزمرّہ ہے۔
یا ربّ میاں امین الدین کس بری قوم اور کس پاجی گروہ کے ہیں کہ مولوی کہلائے مدرّس بنے مگر الفاظ مستعملۂ قوم نہ چھوڑے۔ اگر میری طرف سے ازالۂ حیثیت کی نالش دائر ہو جاتی تو میاں پر کیسی بنتی؟ مگر میرے کبرِ نفس نے ازالۂ حیثیت کے لفظ کو گوارا نہ کیا۔ اُن کی تحریر اُن کے پاجی پن پر سجل ہے، بہ مُہر ذرّہ تا آفتاب، رابعہم مُدرّس احمد علی صاحب عربیّت میں امین الدین سے بڑھ کر، فارسیّت میں برابر، فحش و ناسزا گوئی میں کمتر، جتنے الفاظ توہین و تذلیل کے ہیں وہ چُن چُن کر میرے واسطے صرف کئے اور یہ نہ سمجھا کہ غالبؔ اگر عالم نہیں، شاعر نہیں، آخر شرافت و امارت میں ایک پایہ رکھتا ہے، صاحبِ عزّ و شان ہے، عالی خاندان ہے، اُمرائے ہند، رؤسائے ہند، راجگانِ ہند سب اس کو جانتے ہیں۔ رئیس زادگانِ سرکارِ انگریزی میں گِنا جاتا ہے۔ بادشاہ کی سرکار سے نجم الدولہ خطاب ہے۔ گورنمنٹ کے دفتر میں خاں صاحب بسیار مہربانِ دوستاں، القاب ہے۔ جس کو گورنمنٹ خاں صاحب لکھتی ہے اُس کو سڑی اور کتا اور گدھا کیوں کر لکھوں، فی الحقیقت یہ تذلیل بہ فحوائے ضرب الغلام اہانت المولیٰ گورنمنٹ بہادر کی توہین اور وضع و شریف ہند کی مخالفت ہے۔ میرا کیا بگڑا مولوی نے اپنا پاجی پن ظاہر کیا۔ میں نے معلّم امین بے دین کو شیطان کے حوالے کیا۔ اور احمد علی کے الفاظِ مذموم سے قطع نظر کر کے اُن کے

مطالب علمی کا جواب اپنے ذمّے لیا۔ اس نگارش کا نام تیغِ تیز رکھوں گا۔ اور بعد اتمام اس کو چھپواؤں گا اور اپنے احباب بر دور و نزدیک کی خدمت میں بھجواؤں گا۔ اور اگر مرگ نے اماں نہ دی تو خیر۔ مصرع

'اے بسا آرزو کہ خاک شدہ'

اب یہاں سے آغاز فصول ہے۔

داد کا طالب

غالبؔ [1]

---

[1] میرزا نے ۴۳ صفحے کا ایک مختصر رسالہ اُردو میں لکھا اور اس کا نام 'تیغِ تیز' رکھا اس میں سترہ فصلیں ہیں۔ پہلی سولہ فصلوں میں ایک ایک اعتراض مولوی احمد علی صاحب پر کیا ہے۔ اور اُسی کے ساتھ اُن کے اعتراض کا جواب بھی دیا ہے۔ آخری فصل میں برہان قاطع پر مزید اعتراضات ہیں۔ آخر میں سولہ ادبی سوالات کا استفسار ہے۔ جن کے جواب نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے دیئے اور مولانا حالیؔ، مولوی سعادت علی خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں تینوں حضرات کی ان جوابات سے متعلق تصدیق و تائید ہے۔ یہ رسالہ اوّل بار مطبع اکمل المطابع سے ۱۸۶۷ء میں شائع ہوا تھا۔ ذکرِ غالب (۱۷۹۔۱۸۰) یہ دیباچہ اسی "تیغِ تیز" کا ہے۔ یہاں آثارِ غالب ص ۲۔۳ سے نقل کیا جاتا ہے۔

# ایک استفتا

اللہ اکبر۔ صاحبانِ قوتِ ناطقہ و قوتِ عاقلہ سے کہ وہ مقربانِ بارگاہِ مبدءِ فیاض ہیں، غالب کی یہ استدعا ہے کہ جب یہ تحریر کہ گویا استفتا ہے، نظر سے گزرے تو احد اللغتین میں سے جو لغت صحیح ہو اس کی صحت اور لغتِ غلط کی غلطی لکھ کر خاتمۂ عبارت پر اپنا نام لکھ دیں۔ مثلاً جہاں میں نے لکھا ہے کہ چشمِ عیب بیں صحیح ہے یا چشمِ غلط ساز، اس کے جواب میں رقم فرمائیں۔ کہ چشمِ عیب بیں صحیح، اور چشمِ عیب ساز غلط ہے۔ یہ عبارت چھاپی جائے گی، اس واسطے ضرور ہے کہ فتوے میں توضیح ہو۔ فقط

سوال ۱۔ لغت فارسی کی حقیقت اور حروف کی حرکت میں فردوسی اور خاقانی سچے ہیں یا ہندوستانی فرہنگ لکھنے والے؟

جواب:۔ فردوسی و خاقانی سچے ہیں۔ ہندوستانی ان کے مطابق لکھیں تو سچے ان کے برخلاف لکھیں تو جھوٹے۔

سوال ۲۔ پیدائی و زیبائی صحیح اور پیدائیش و زیبائش غلط، یا یہ چاروں لفظ صحیح؟

جواب:۔ چاروں صحیح۔

سوال ۳۔ راند و ماند بروزن چاند صحیح۔ رُند و مُند لہجہ ہے۔ اصل میں یہ وزن تُند و کُند نہیں؟

جواب:۔ راند و ماند بروزن چاند صحیح، بروزن رُند و کُند لہجہ ہے۔

سوال ۴۔ چشم کی صفت عیب بیں صحیح یا عیب ساز؟

جواب ۔ حیب ساز غلطِ محض اور جو آنکھ کو عیب ساز کہے وہ احمق بلکہ اندھا ۔

سوال ۵ ۔ فرہنگ نویس حال کی رائے اگر فرہنگ نویس ماضی کی رائے سے مطابق ہو، خواہی بہ حسب اتفاق، خواہی ازروئے مشاہدہ، یہ سرقہ ہے، یا تطابق رائے ؟

جواب ۔ یہ تطابقِ رائے ہے، سرقہ سے کیا علاقہ ۔

سوال ۶ ۔ ششش ضرب، نتیجۂ خوب شکر و عسل گو ہر و زر و مشک و اقسامِ میوہ کو کہہ سکتے ہیں یا نہیں ؟

جواب ۔ معاذ اللہ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ ! کون کہہ سکتا ہے مگر کوئی دیوانہ کہے یعنی ان چھ چیزوں کو ششش ضرب نتیجۂ خوب نہ لکھیں گے مگر کوئی اور چھ باتوں کو لکھیں تو لکھیں ۔

سوال ۷ ۔ یہ مصرع وزنِ شعر میں درست ہے یا ناموزوں ؟

چشمِ مخالفاں بیازن بہ تیر

جواب :۔ مصرع ہو تو کچھ لکھوں، فقرہ ہے، اس کو وزن سے کیا علاقہ ؟

سوال ۸ ۔ آہنگیدن کا صیغہ آہنگیدن ہوگا یا فقط آہنگ ؟

جواب :۔ آہنگید ہو سکتا ہے، نہ آہنگ ۔

سوال ۹ ۔ پالایہ ایک لغت ہے، فرہنگ نویس کو اس کا ہم وزن چارپایہ لکھنا چاہیے یا چارخایہ ؟

جواب :۔ وزن دونوں صحیح ہیں لیکن چارپایہ لکھنے والا آدمی ہے، اور خایہ لکھنے والا چارپایہ ۔

سوال ۱۰ ۔ گرازاں بہ معنی خراماں بہ کافِ فارسی مضموم ہے، یا گرازاں بکافِ عربی مکسور بروزنِ صفاہاں ؟

جواب:- گرّاناں بمعنی خراماں بہ کافِ فارسی مضموم صحیح بہ کافِ عربی مکسور غلطِ محض۔

سوال ۱۱۔ کروہ و فرسخ و فرسنگ فارسی میں مقدار مسافتِ زمین کو کہتے ہیں۔ عربی میں کُراع بر وزنِ صُراح مقدار مسافت زمین کو کہتے ہیں۔ یا پاچا گاو و گوسپند کو؟

جواب:- صراح میں بمعنی پاچۂ گاو و گوسپند لکھا ہے، بمعنی مسافت غلطِ محض۔

سوال ۱۲۔ گلہری بہ کافِ فارسی بر وزنِ اکہری یح صحیح، یا کلہری بہ کافِ عربی مفتوح بر وزنِ ابتری صحیح۔

جواب:- گلہری بہ کافِ فارسی مکسور صحیح۔

سوال ۱۳۔ ہندوستان میں دخترِ نارسیدہ کو چھوکری کہتے ہیں، اہلِ ولایت چوکری کہیں گے۔ بہ حذفِ ہائے مضمرہ چکری بہ حذفِ واو غلط ہے یا صحیح؟

جواب:- چکری جو اہلِ ولایت سے بھی زیادہ بدلہجہ ہو، وہ شاید کہے۔

سوال ۱۴۔ پا اور پائے بہ اضافۂ تحتانی جس کو عربی میں رجل کہتے ہیں، ہندی میں اس کا نام پانو مع النون ہے، یا پاؤ بے نون؟

جواب:- پانو کو پاؤ نہ کہے گا مگر مجنون؟

سوال ۱۵۔ پریشیدن مصدرِ جعلی ہے بنایا ہوا لفظِ پریشاں سے خبر بائے زائدہ اس کے ماقبل لاکر بپریشیدن بہ ہر دو بائے فارسی بھی انھیں معنوں میں کہیں آیا ہے یا نہیں؟

جواب:- کہیں نہیں آیا، اس میں ذہن کو پریشان کرنا کیا ضرور۔

سوال ۱۶۔ خانہ سیل ریز شراب انگوری کو کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب :۔ سیل خانہ ریز شراب کی صفت ہو سکتی ہے ۔ انگور کی قید بے جا اور خانۂ سیل ریز مہمل اور غلط اور خبط ۔

راقم محمد المدعو بہ ختم اللہ لا باسمی

سب جواب مجیب کے صحیح ہیں ۔

الطاف حسین پانی پتی عفی اللہ تعالیٰ عنہ

سب جواب دونوں مجیبوں کے باصواب ہیں ۔

محمد سعادت علی مدرس گورنمنٹ اسکول دہلی

شانزدہ گانہ سوال کے جواب میں میں بھی نواب محمد مصطفیٰ خاں صاحب کا ہم زبان و ہم داستاں ہوں ۔

الراقم الاثم محمد الملقب بہ ضیاء الدین عفی عنہ [1]

---

[1] یہ استفتا (آثارِ غالب ص ۴-۶) سے نقل کیا گیا ہے ۔

# غالب کی چند نئی اُردو تحریریں

عام طور پر خیال یہ ہے کہ مرزا غالب نے صرف برہانِ قاطع پر تنقیدی نوٹ لکھے تھے۔ جو قاطع برہان کے نام سے پہلے اور بعد ازاں درفشِ کاویانی لقب پا کر شائع ہوئے تھے۔ لیکن حال میں لوہارو سیکشن (رضا لائبریری) میں چند ایسی مطبوعہ کتابیں ملی ہیں جن پر ان کی قلم کے ریمارک ہیں۔ آج کی صحبت میں ان میں سے چند اُردو تحریریں پیش کرتا ہوں۔

۱۔ لوہارو سیکشن میں خان آرزو اکبرآبادی متوفی ۱۱۶۹ھ (۱۷۵۶ء) کی ایک کتاب موہبت عظمیٰ ہے۔ جو دہلی کے شرف المطابع میں ۱۲۶۸ھ (۱۸۵۲ء) میں چھپی تھی۔ اس کے صفحہ ۳ پر آرزو فرماتے ہیں:

"گاہے اسمِ اشارات حذف کنند از جہتِ نکتہ کہ ترحم یا ندمت یا غیر آں باشد۔ چنانکہ فرماید:

پیشِ رخِ تو، برگ گل لاف زند ز تازگی
رنگ حیا دہد خدا چہرۂ بے حیائی را

واین بنا بر ادعاء آنست کہ غیر او گویا بیحیا نیست، چنانکہ گویند فلاں را سلام کردم۔ بیدرد مطلق بحالِ من نہ پرداخت؛ یا 'فلانی را زدند۔ مسکین مطلق فریاد نہ کرد' منظورِ قائل آنست کہ گویا سوای او بیدرد یا مسکین نیست۔

اس پر مرزا صاحب لکھتے ہیں:۔

"یہاں خان صاحب کے بیان کو میں نہیں سمجھا۔ شعر کے مطلب کو ان دو مثالوں کا نظیر کیوں کر ٹھیرائیے؟ شعر میں پہلے موصوف کا نام مذکور ہو گیا ہے، یعنی، برگِ گل۔ دوبارہ اس کا نام لینا کیا ضرور تھا صفت کا ذکر کافی ہے 'فلاں را سلام کردم۔ بیدرد جواب ندا۔ فلاں را زدند۔ مسکین فریاد نہ کرد۔ وہ مفعولِ سلام اور یہ مفعول ضرب۔

اس کو بے درد اور اس کو مسکین کہنا یہ چاہتا ہے کہ اس کو سوائے بیدرد کے اور اس کو سوائے مسکین کے کچھ کہنا نہ چاہیئے۔ نہ یہ کہ سوائے اس کے کوئی اور بیدرد، اور سوائے اس کے کوئی اور مسکین نہیں۔"

۲۔ اس کتاب کے صفحہ ۱۶ پر آرزو نے لکھا ہے:

"اضافت گاہی برای آں باشد کہ مستغنی گرداند از تفصیل متعذر یا متعسر.....
گاہے برائے آں باشد کہ تقدیم بعضے بر بعضے ترجیح بلا مرجح باشد، چنانکہ گوئی: امروز علمای شہر حاضراند۔ وگاہی تصریح بہ بدی و اہانت باشد، چنانکہ گوئی: انبای زماں چنیں می گویند"

اس پر میرزا صاحب نے لکھا ہے:-

"امروز علمای شہر حاضر اند' یہ جملہ اجمالی ہے۔ اس سے دفع ترجیح بلا مرجح منظور نہیں۔ انبای زماں چنیں می گویند' یہ جملہ ہرگز بدی و اہانت کی تصریح نہیں کرتا۔ اس قول کو دیکھنا چاہیئے کہ انبای زماں کیا کہتے ہیں۔"

۳۔ اسی کتاب کے صفحہ ۴۵ پر آرزو نے فرمایا ہے:

"مفعول کلمہ ندارد گاہی کہ لفظ حساب بود آں را حذف کنند چنانکہ باقر خورد گوید":

بوسے ز لبِ تو خوردم و رفت      از رفتن حال غم ندارد"

اس پر مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"کا ندارد کے مفعول کا حذف کرنا جائز سہی، لیکن "دارد" بمعنی باید اور داشت بمعنی بایست اسی طرح نون منفی کے ساتھ بمعنی نمی باید و نمی بایست' روزمرۂ فصحائی ایران ہے۔ ظہوری:

گر اسیرِ زلف و کاکل گفتہ باشم خویش را      گفتہ باشم، این قدر بر خویش پیچیدن نداشت

۴۔ اسی کتاب کے صفحات ۵۰ و ۵۱ پر افعال متعدی بدو مفعول سے بحث ہے اور اس میں آرزو نے لکھا ہے کہ "چوں مقام خطابی و مقتضی مدح باشد، حذف کنند برای عموم و شمولِ افراد، یعنی ہر چہ بخاطرِ سامع رسد، چنانکہ گذشت۔ و ازین عالم است کہ گوید:"

جاوید ہمی بخشد و از مایہ نکاہد      رشحِ قلمت ثروت اصنافِ امم را

واین بر تقدیریست کہ ثروت بسوی اصناف مضاف باشد. وآنچہ بعضے نوشتہ اند کہ برین تقدیر باید کہ ثروتِ اصناف پیش از بخشیدنِ ممدوح باشد وآن منافی مقام مدح است، از قلتِ تامل است ۔ زیراکہ ہرگاہ ثروتِ مذکور دست پروردہ و ممنونِ علیہ ممدوح باشد چہ میشود کہ پیش از بخشیدنِ او باشد، چراکہ پیش از وچیزی بنود کہ موردِ بزرگی نواند شد۔ دبر تقدیری کہ بر کلمہ ثروت سکوت واقع شود، ہمین مفعولِ دوم خواہد شد۔

وآنچہ بعضی نوشتہ اند کہ فکِ اضافت فصاحت ندارد واین بی تصنع سہوی از قلمِ عرفی چکیدہ دروی معنی خراشیدہ، نیز از عدمِ تتبعِ کلامِ قوم است، زیراکہ ازین نوع سکتہ ہا بسیار بسیار واقع سود، چنانچہ استاد ظہیرالدین فاریابی گوید:

دربرگرفتہ دلِ چون خودِ آہنین      وان زلفِ چون زرہ را بر سر نہادہ"

اس میں مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"پہلے اپنا عقیدہ ظاہر کرتا ہوں۔ عرفی اور نظیری کا ثالث نہ کبھی تھا اور نہ کبھی ہوگا۔ قدما کی طرز اور ہے۔ کلام نازک خیالوں میں ہے۔ جو فغانی کی روش کے پیرو ہیں اُن میں ان دونوں کے برابر کوئی نہیں۔ با این ہمہ یہ بزرگوار اپنے کلام پر نظرِ ثانی نہیں کرتے۔ اگر مولانا اس شعر کو کہہ کر دوبارہ دیکھتے تو ثروت کی جگہ بہت لفظ مفید مطلب پیدا ہو جاتے، اور یہ سکتہ اور فکِ اضافت اور اضافت کی تاویلات کا قصہ جاتا رہتا۔ مثلاً

جاویدہمی بخشد و از مایہ نکاہد      رشحِ قلمت فائدہ اصنافِ اُمم را
رشحِ قلمت کامِ دل اصنافِ اُمم را

غالب، انصاف کا طالب"

۵۔ اسی کتاب کے صفحہ ۵۶ و ۵۷ پر خان آرزو نے لکھا ہے:

"ازانجملہ است کلمہ 'مر' کہ مفیدِ معنی حصر است، افادہ قصر کند چنانکہ گوید:

مرا در ارسد کبریا و منی — که ملکش قدیم است و ذاتش غنی

وتحقیق این پیشتر گذشتہ۔ بشنو، ہر چند در قصر افراد چنانکہ گذشتہ کہ اعتقادِ اشتراک ضروریست، لیکن گاہی بہ تنزیلِ خالی الذہن در مقامِ معتقد اعتقاد مذکور آرند از جہتِ آنکہ چنین گمان بکسی نہ ترا نشاید۔ چنانکہ گوید :

این زمزمہ مرکبی است مرروح ترا — بردارد وخوش بعالمِ یار برد

یعنی، نشاید کہ مرکب تن گردانی کہ تیرا سبب رفتن بسوی لذاتِ نفسانی و شہوانی گردد۔ و محرک ایں کار شود۔ بلکہ مرکبِ روح تست کہ بی تکلف ترا بعالم اطلاق رساند۔ پس آنچہ بعضی نوشتہ اند کہ کلمہ مر درینجا محض برائے زینتِ کلام است وزائدہ، محلِ تامل است۔

وازین قبیل است کہ شیخ فرمودہ : منت مرخدای را عزوجل کہ طاعتش موجب قربتست، یعنی منت کہ بارِ منت بر دیگری نہادن و منعم علیہ را مرہونِ احسانِ خود داشتن باشد۔ خاصہ اوست جل شانہ، کہ نعمتہایش از حد و عد بیرونست، ونعمت دیگران بوی راجع است۔ درحقیقت جزوی منعمے نیست۔ وشکر نعمت بلفظ منت ابلغ است از شکر۔ چہ ایں ز اہر جا اطلاق می تواں کرد۔ بخلافِ منت کہ خاصہ اوست۔"

اس پر مرزا صاحب نے لکھا ہے :

"کیا اچھی تقریر اور کیا خوب توجیہ ہے! اب ہمارے عہد میں حضرات نے لفظِ مر نکال ڈالا ہے۔ اور 'منت خدای را' لکھتے ہیں۔ یہ بھی بے تکلف صحیح ہے، مگر 'منت مرخدای را' میں کیا قباحت ہے۔ وہ تو ابلغ ہے۔ خان آرزو سچ کہتا ہے۔

انصاف کا طالب 'غالب'۔"

۶۔ صفحہ ۵۶ پر آرزو نے لکھا ہے :

"و ہمچنیں لفظ شاید کہ برای شک است، در تمنی مستعمل شود، چنانکہ گوید :

کشتی شکستگانیم، ای بادِ شرطہ، برخیز — شاید کہ باز بینیم آں یارِ آشنا را

وہمچنیں لفظ 'بوک'، چنانکہ گوید:

بادصبا بفرست ہمراہ از رخت گلدستۂ ۔۔۔۔ بوکہ بوئی بشنوم از خاک بستانِ شما"

اس پر مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"بوکہ' کلمہ جداگانہ نہیں۔ 'آیا بود' کا مخفف ہے۔ غالبؔ"

۷۔ صفحات ۶۰ و ۶۱ پر آرزو نے لکھا ہے: "پس آنچہ در معنی ایں بیت نوشتہ آمد:

من کے باشم عقلِ کل را ناوک اندازِ ادب ۔۔۔۔ مرغ اوصافِ توازاوجِ بیان انداختہ

کہ فاعلِ انداختہ ناوک اندازِ ادب است و عقلِ کل و مرغِ اوصاف ہر دو مفعول' یعنی من چہ استعداد داشتہ باشم کہ وصف تو توانم گفت؟ زیرا کہ ناوکِ اندازِ ادب مرغ وصفِ بیچوں را کہ عقلِ کل است، از اوج بیان انداختہ' محلِ نظر باشد' زیرا چہ معنی 'کہ باشم' یعنی کدام شخص باشم' نہ آنکہ چہ استعداد داشتہ باشم' چنانکہ ظاہر است۔ مگر آنکہ گوییم: حاصلِ معنی است۔ وہنوز ہم از تعسفات خالی نیست۔ چنانکہ بُعدِ معنی از عبارتِ بیت مخفی نیست۔ پس حق ہمانست کہ ما نوشتہ ایم کہ کلمۂ مرا از مصرعۂ دوم بقرینۂ مصرعۂ اوّل کہ در ان کاف صفت واقع شدہ' محذوف باشد" یعنی' من کہ ادب آموزِ عقل کلم۔ مرغِ اوصافِ تو مرا ازاوجِ بیان انداختہ۔ و دریں عکس نہایت مبالغہ خواہد بود"

اس پر مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"واقعی معنی یہی ہیں کہ جو خان آرزو نے لکھے ہیں۔ چاہو لفظِ مرا مصرع دوم میں سے محذوف سمجھو۔ چاہو لفظِ را مصرع اوّل میں سے بعد من کے محذوف سمجھو۔ غالبؔ"

۸۔ اسی کتاب کے صفحہ ۶۸ پر خان آرزو نے لکھا ہے:

"گاہی معنی امر را مکرر آرند و در واقع زائد باشد' د نظر بمقام لطف پیدا

کنند، چنانکہ گوید:

یک دو رطلِ گراں بجا فظ دہ گر عذاب است در ثواب، بیار

زیرا چہ لفظِ بیار من حیث المعنی زائد است۔ و چوں مستان را ' بیار '، ' بیار ' می باشد، نظر بر آن آوردہ، و خیلی لطف بہم رسانندہ۔ و نمی فہمد این را مگر کسی کہ کمال ماہرِ سخن باشد۔"

اس پر مرزا صاحب نے لکھا ہے:

"یہاں بھی بیان خانِ آرزو کا سچ ہے، بلکہ میں کچھ اور بڑھ کر کہتا ہوں، یعنی مصرعِ ثانی میں دفعِ دخلِ مقدر ہے۔ مبادا مخاطب کو یہ خیال آجائے کہ شراب لانی گناہ ہے، پس یہ غل مچاتا ہے کہ عذاب ثواب جو ہو، بلا سے۔ تو شراب لا۔ معہذا بیار میں استعجال ہے۔"

ان سب تحریروں سے مرزا صاحب کی سخن رسی اور دیدہ وری ظاہر ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خواہ مخواہ ہی برہانِ قاطع پر نہیں برسے ہیں۔ اس میں ترتیبی و تشریحی اسقام کی بہتات اتنی تھی اور پھر اس زمانے میں کلکتے سے کئی بار چھپ جانے کی وجہ سے استعمال بھی اتنی زیادہ ہو رہی تھی کہ اُنھیں ڈر ہوا کہ اگر اس کی غلطیوں کو اُجاگر نہیں کر دیا گیا تو مبتدی ہی نہیں اکثر اہلِ علم بھی بہک جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تنقید میں ان کا لہجہ سخت اور قابلِ اعتراض ہو گیا ہے۔ [1]

---

[1] امتیاز علی خاں صاحب عرشی کا یہ مقالہ شاعر بمبئی (خاص نمبر ۵۹ ص ۳۳-۳۶) سے لیا گیا۔

## ماسٹر پیارے لال آشوب کے متعلق ایک عبارت

فقیر اسد اللہ خاں غالب کہتا ہے کہ بابو پیارے لال کی مفارقت کا جو غم و اندوہ ہوا ہے، میرا جی جانتا ہے۔ بس اب میں نے جانا کہ میرا دلی میں کوئی نہیں۔ ؎

؎ دہلی سوسائٹی کے سکریٹری ماسٹر پیارے لال آشوب غالب کو بہت عزیز تھے۔ جب ان کا دہلی سے تبادلہ ہوا اور وہ لاہور جانے والے تھے تو انھوں نے دہلی سوسائٹی سے استعفیٰ دیدیا جس کے وہ سکریٹری تھے۔ ممبران سوسائٹی کی طرف سے آشوب کی خدمت میں سپاس نامہ پیش کیا گیا، اُس پر غالب کے بھی دستخط تھے۔ غالب نے دستخطوں کے ساتھ حاشیہ پر یہ عبارت لکھدی تھی یہ سپاس نامہ سوسائٹی کے رسالے (شمارہ نمبر ۴۵ ص ر ۳۹ - ۴۲) میں شائع ہوا تھا۔ قدیم دلی کالج نمبر میں علامہ کیفی نے اور احوالِ غالب میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے نقل کیا ہے۔ یہاں دلی کالج نمبر سے نقل کیا گیا۔

# دیباچہ انتخاب غالب

یہ کتاب جو دو باب کی ہے حقیقت یہ اس کتاب کی ہے کہ پہلے باب میں دو دیباچے اور کئی لطیفے اور کئی مکتوب ہیں۔ اگر میرے لکھے ہوئے نہ ہوتے تو میں کہتا کہ بہت خوب ہیں۔ دوسرا باب اشعار کا ہے کہ وہ بھی کلام اسی خاکسار کا ہے۔ اگر کوئی خط اردو زبان میں لکھا جائے ان اشعار میں سے شعر محل و مقام کے مناسب درج کیا جائے اور یہ مجموعہ نذر پاس جناب رفعت مآب کے ہے جس سے عزت و توقیر فنانشل کمشنری پنجاب کی .... مناقب عالیشان علم و اہل علم کے قدر دان .... یگانہ روزگار، جن کا مطیع و محکوم ہونا، اہل ہند کو سرمایۂ عزّ و افتخار، والا پایہ عالی رتبہ معلّی القاب حضرت فلک رفعت میکلوڈ صاحب بہادر فنانشل کمشنر بہادر قلمرو پنجاب۔ پس یہ کتاب اگر ان کے حکم سے چھاپی جائے گی تو صاحبان تازہ وارد ولایت کے پڑھنے کے کام آئے گی۔ اس کتاب کا نذر کرنے والا جو اپنی نذر کے قبول ہونے کا طالب ہے۔ نصراللہ بیگ خاں بہادر رئیس سونسا کا بھتیجا موسوم بہ اسداللہ خاں و متخلص بہ غالب ہے میرے چچا کی سرداری اور ریاست کا حال (اور گورنمنٹ بہادر اعلیٰ سے خاص میری ملازمت اور نذر خلعت کی کیفیت) گورنمنٹ اعلیٰ کے دفتر میں مرقوم ہے اور میرے قصیدے کا جناب مستطاب لارڈ الن برا بہادر کے ذریعہ سے وزیر اعظم کے پاس پہنچنا اور حضرت قدر قدرت شہنشاہ بحر و بر ملکۂ معظمہ محتشمہ کے حضور پر نور میں گزرانا ازروئے مشاہدہ خطوط آمد ولایت جو بسبیل ڈاک مجھ کو ولایت سے آئے ہیں۔ گورنمنٹ بہادر ہندوستان کو معلوم ہے البتہ میں اس کا مستحق ہوں کہ کوئین پوئیٹ گنا جاؤں اور اس علاقے سے ایک نیا نام اور نئی عزت پاؤں، اگر رتبہ بڑھایا نہ جائے۔ قدیم عزت میں

تو فرق نہ آئے ۔ نظم

اے جہاں آفریں خدائے کریم　　صانعِ ہفت چرخ و ہفت اقلیم
نام میکلوڈ جن کا ہے مشہور　　یہ ہمیشہ بصد نشاط و سرور
عمر و دولت سے شادمان رہے
اور غالب پہ مہربان رہے[1]

❁

[1] غالب نے پنجاب کے فینانشل کمشنر کی فرمائش پر ایک رسالہ مرتب کیا تھا۔ جس میں دو دیباچے، دو نقلیں، ایک لطیفہ اور گیارہ خطوط ہیں، یہ رسالہ محمد عبدالرزاق نے "انتخاب غالب" کے نام سے ۱۳۴۵ھ میں شائع کر دیا تھا۔ اس رسالہ کا ایک قلمی نسخہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے پاس محفوظ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ ان کا نسخہ غالب کی ذاتی ملکیت تھا۔ یہ دیباچہ اور خاتمہ اسی رسالے پر غالب نے لکھے تھے۔ یہاں محمد عبدالرزاق کے شائع کردہ "انتخابِ غالب" سے نقل کئے جاتے ہیں۔ قوسین کی عبارت ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے نسخے میں زائد ہے۔

# خاتمۂ انتخاب غالب

خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ یہ مجموعہ مختصر تمام ہوا۔ اب خدا سے یہ دعا مانگتا ہوں کہ یہ تحریر میری مربی اور محسن کے پسند آئے۔ تم نے جانا کہ میرے مربی اور محسن کون ہیں وہ کہ جن کی ہدایت کا شکرگزار اور عنایت کا امیدوار ہوں۔ جب نام نامی اُن کا دیباچہ کتاب میں مرقوم اور عالم میں مشہور ہے تو بار بار حضرت کا نام لینا ادب سے دور ہے۔ مگر ہاں خاتمہ میں یہ شعر لکھ دینا ضرور ہے۔

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

# مظہر العجائب میں ترجمہ مرزا غالب

اسد اللہ خاں عرف مرزا نوشہ، غالب تخلص قوم کا ترک سلجوقی سلطان برکیارق
سلجوقی کی اولاد میں سے، اس کا دادا قوقان بیگ خاں، شاہ عالم کے عہد میں
سمرقند سے دلّی میں آیا، پچاس گھوڑے اور نقارہ نشان سے بادشاہ کا نوکر ہوا
پہاسو کا پرگنہ جواب سمرو کی بیگم کو سرکار سے ملا تھا وہ اس کی جاداد میں مقرر
تھا۔ باپ اسد اللہ خاں مذکور کا عبد اللہ بیگ خاں دلّی کی ریاست چھوڑ کر اکبر آباد
میں جا رہا . اسد اللہ خاں اکبر آباد میں پیدا ہوا۔ عبد اللہ بیگ خاں الور میں
راؤ راجہ بختاور سنگھ کا نوکر ہوا۔ اور وہاں ایک لڑائی میں بڑی بہادری سے
مارا گیا، جس حال میں کہ اسد اللہ خاں مذکور پانچ چھ برس کا تھا۔ اس کا حقیقی
چچا نصر اللہ بیگ خاں مرہٹوں کی طرف سے اکبر آباد کا صوبہ دار تھا۔ ۱۸۰۳ء
میں جب جرنیل لیک صاحب اکبر آباد پر آئے تو نصر اللہ بیگ خاں نے شہر
سپرد کر دیا۔ اور اطاعت کی، جرنیل صاحب نے چار سو سوار کا بریگیڈیئر
کیا اور ایک ہزار سات سو کی تنخواہ مقرر کی۔ پھر جب اس نے اپنے زور بازو
سے سونک سونسا دو پرگنے بھرت پور کے قریب ہولکر کے سواروں سے چھین
لئے۔ جرنیل صاحب نے وہ دونوں پرگنے بہادر موصوف کو بہ طریق استمرار عطا
فرمائے۔ مگر خان موصوف جاگیر مقرر ہونے کے دس مہینے کے بعد یہ مرگ ناگاہ ہاتھی پر سے
گر کے مر گیا جاگیر سرکار میں بازیافت ہوئی اور اُسکے عوض نقدی مقرر ہو گئی اور شرکہ ودے دلا کر ساڑھے سات روپے سال اس
شخص کی ذات کو اُسی زرِ معافی میں سے ملتے ہیں۔ اس نے شاعری میں بڑا کمال پیدا کیا۔
نہ فقط شعر بلکہ نثر میں بھی دستگاہ رکھتا ہے۔ نثر کی تین کتابیں ہیں۔ پنج آہنگ
مہر نیم روز، دستنبو، فارسی نظم کا کلیات دس ہزار بیت کا بانفصل اردو اخبار لکھنو
میں چھاپا ہوا ہے۔ گورنمنٹ میں اس کی بڑی عزت ہے۔ اشرفیوں کے عوض قصیدہ مدح

نذر دیتا ہے اور سات پارچے جیغہ سرپیچ موتیوں کی مالا خلعت پاتا ہے۔ اب کی بار جو لاہور میں لارڈ صاحب کا دربار ہوا تو موافق سابق کے درباریوں کی فہرست کے صاحب کمشنر بہادر حصارِ تکمہ دریں ولا قائم مقام صاحب کمشنر دہلی بھی ہیں۔ شل اور رئیسوں کے اور رئیس زادوں کے اس کو بھی خط لکھا، بے چارہ بسبب تہی دستی اور بے مقدوری کے لاہور نہ جا سکا۔ مجھ سے کہتا تھا کہ ستر برس کا آدمی کانوں سے بہرا ہوں اور اکثر بیمار رہتا ہوں لیکن اگر میرے پاس روپیہ ہوتا تو میں ان عوارض کو نہ مانتا اور بے شک لاڈ صاحب کے دربار میں حاضر ہوتا خیر آخر عمر میں یہ ایک داغ حسرت رہا۔ حق بات کو ظاہر نہ کرنا خدا پرستی اور حق شناسی کے خلاف ہے۔ اس شخص نے ۱۸۵۵ء کے آخر میں قصیدہ مدح ملکہ معظمہ ولایت کو بسبیل ڈاک لارڈ ڈالہوزی گورنر سابق کی معرفت بھیجا ہے اور اوائل ۱۸۵۶ء میں تین خط انگریزی بے واسطہ انڈیا گورنمنٹ ولایت سے اس کو ڈاک میں آئے ہیں۔ اب ہم اُن تینوں خطوں کے خلاصے لکھ کر اس کے ذکر کو ختم کرتے ہیں۔

٭

---

(غالب کی یہ خود نوشت سوانح عمری ڈاکٹر عبد الحق کو افتخار عالم مارہروی سے ملی تھی انھوں نے رسالہ اُردو (۱۹۲۸ ص / ۳۲۸) میں شائع کی۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ یہ حالات شاید منظر الحق کے "تذکرے منظر العجائب کے لئے لکھے گئے تھے۔ انطار الحق ملک نے "غالب کے خود نوشت حالات" (احوال غالب ص/ ۲۴ - ۲۸) میں اسے نقل کیا ہے۔ انہیں یقین ہے کہ غالب نے خود یہ حالات منظر العجائب کے لئے لکھے تھے۔ سعید اللہ ہی نے "مرزا غالب کی خود نوشت سوانح عمری پر ایک نظر" (آجکل فروری ۱۹۵۵ ص/ ۷ - ۱۲) میں سوانح عمری کے بعض اقتباسات دیئے ہیں۔ انھوں نے مولانا احتشام الدین دہلوی کے حوالے سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ غالب نے یہ حالات مسٹر ریگنٹن کے فارسی تذکرے کے لیے لکھے تھے۔)

---

# مضمونِ نواب اسد اللہ خانصاحب المتخلص بہ غالب

حکام معدلت فرجام اور صاحبان والا مقام کی جناب میں اور حاضران انجمن اور دانندگان ہر علم و فن کی خدمت میں بلکہ جو شخص خدا پرست وحق شناس ہے اوس سے میرا التماس ہے کہ یاد کرو، ۱۸۵۷ء میں دلی کے رہنے والوں نے حاکموں پر شہر کا دروازہ بند کر دیا اور ایسے فرمانداںِ دادگر سے لڑائی کا قصد کیا، میگزین کا دروازہ کھلوایا اور اونہیں کی گولی بارود سے اُن پر آگ کا مینہ برسایا، چار مہینے چار دن ظلم کی آنچ کی تیزی رہی۔ قلعہ اور شہر اور باہر خونریزی رہی۔ ناگاہ قہرِ الٰہی اس شدت سے نازل ہوا کہ ہر جاندار کو جینا مشکل ہوا۔ قوم انگریز کو خدا نے فتح عنایت کی۔ اونھوں نے سیاست کے بعد رعیت کی رعایت کی، ہر چند حکام کو عفو جرائم منظور رہا، مگر قہرِ حاکمِ حقیقی بدستور رہا، نہ مکیں کا پتا نہ مکان کے آثار نہ وہ گلی کوچے نہ وہ بازار۔ مانا کہ شہر کی صورت اب اوسے بہتر ہے۔ مگر وہ عمارت جس پر خدا کے قہر کی آندھی چلتی تھی وہ کدھر ہے۔ شعر۔

سپش ہر آئینہ شہرے جدید خواہد بود
نہ آں کہ شاہ جہاں ساخت در زمانِ قدیم

رفع فتنہ و فساد و ظہورِ امن و داد مسلّم لیکن قہرِ الٰہی سے کچھ پیش نہیں جاتی۔ خلافِ تقدیر تدبیر بن نہیں آتی۔ تین برس برابر کال رہا، ہر شخص خستہ و بدحال رہا۔ آب و ہوا کی ناسازگاری، طرح طرح کی مصیبت، رنگ رنگ کی بیماری، کلیجوں کا تپ کی حرارت سے سلگنا، گھروں میں جا بجا آگ کا لگنا ہوا شرارہ ریز، خاک شعلہ انگیز۔ دریا اور کوئے کا پانی زہرِ آب، مینہ کے پانی کی بوند گوہرِ نایاب۔ اساڑھ اور ساون برسات کے دو مہینے تمام

ہوئے: ساون کے آخر اور بھادوں کے اول دو چار مہینہ ہوئے۔ جس میں
پانی اسی قدر برسا کہ زمینداروں نے حاصل فصل ربیع سے ہاتھ دھو لیے۔
پایانِ کار کا حال خدا جانے۔ مطلق اوس کے اسرار کو کیا جانے۔ گرانی اور
ارزانی ایک امرِ عام ہے مجھے خاص اپنے عرض مدعا سے کام ہے بوڑھا ہوں
ناتواں ہوں۔ سچ اگر پوچھئے تو نیم جان ہوں۔

ضعف نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

میں کہاں اور بزم نشینی کہاں، نظم و نثر میں وہ رنگینی کہاں سرکار کی خدمتگذاری
کا شائق ہوں۔ مگر اب صرف دو کام کے لائق ہوں اگر کسی امر میں بذریعہ
خط مجھ سے کچھ پوچھا جائے تو وہ لکھ سکتا ہوں جو میری رائے میں آئے یا اگر
تحریر نظم و نثر فارسی و اردو کا حکم آوے تو لکھ کر بھیج سکتا ہوں۔ آئندہ
حکام کے پسند نہ ہو یا مقبول ہو جاوے ۱۸۰۶ عیسوی سے جس کو آج ساٹھ
برس ہوئے۔ سرکار انگریزی کا نمک خوار ہوں اور ۱۸۵۵ء یعنی دس برس
سے شہنشاہ بحر و بر حضرت فلک رفعت ملکۂ معظمہ کا مدحت نگار ہوں۔ دو قصیدے
میرے ولایت پہنچ گئے اون میں سے ایک کی رسید کی اطلاع مجھ کو آگئی تیسرا
قصیدہ میرے مسودات میں موجود اور مطلع اوس کا یہ ہے

---

یہ مضمون غالب نے دہلی سو سائٹی کے ۱۱ اگست ۱۸۶۵ کے جلسے میں پڑھا تھا۔ بعد میں
سو سائٹی کے پہلے شمارے (ص ۲۲ - ۲۳) میں شائع ہوا۔ یہ شمارہ علامہ کیفی کے پاس تھا۔ مالک رام
صاحب نے "دہلی کی تباہی" (ادبی دنیا ۱۹۳۹) میں یہ مضمون نقل کیا۔ قاضی عبدالستار
نے بھی "دہلی سو سائٹی اور مرزا غالب" (احوال غالب ص / ۱۷۲ - ۱۹۲) اور
علی گڑھ میگزین غالب نمبر ۱۹۴۹ء میں نقل کیا ہے۔ یہاں
احوال غالب سے نقل کیا جاتا ہے۔

نامہ زوِ کثورِ یا چو نامور آمد
از افق نامشہ آفتاب بر آمد

یہ قصیدہ اوس کے سزاوار ہے کہ ایران بھیجا جائے اور وہاں کے شعرا سے داد مانگی جائے۔

اب میں جناب صاحب کمشنر بہادر اور مجموع صاحبان عالی شان کو سلام کرتا ہوں اور نگارش کو تمام کرتا ہوں۔

راقم اسد اللہ خاں شاعر غالبؔ تخلص
برادر زادہ، نصر اللہ بیگ خاں بہادر رئیس سونگ سونا
مرقومہ
۱۱ اگست ۱۸۶۵ء

---

## فارسی شعر کی شرح

شباہتے است ابر آں را کہ بر نیامدہ است
وگرنہ موئے بباریکی میانِ تو نیست

سب کمر کو باندھتے ہیں۔ شاعر کہتا ہے کہ استغفر اللہ بال کو کیا نسبت ہے کمر سے کہ نظر آتی ہی نہیں اور بال نظر آتا ہے۔ ہاں وہ بال جو ابھی نہیں اگا اور نہیں نکلا اوس کو کچھ شباہت ہے کمر کے ساتھ۔ [1]

---

[1] شعر کی یہ شرح غالب نے اپنے قلم سے کی تھی۔ جس کا عکس آثارِ غالب میں چھپا تھا۔

# نقل

ایک[1] مولوی وعظ میں شراب کی مذمت کر رہے تھے۔ فرمانے لگے اول برائی اس میں یہ ہے کہ جب تک اس کی بو آدمی کے منہ سے آتی ہے۔ دعا نہیں قبول ہوتی۔ میں نے کہا کہ مولوی صاحب آدمی شراب جب پیے گا کہ تین باتیں اس کو میسر ہوں گی۔ پہلے تندرستی پھر دولت مندی۔ پھر خاطر جمعی۔ اب آپ انصاف کریں جب یہ تینوں چیزیں حاصل اور موجود ہوں۔ ایسی اور کیا چیز باقی رہی کہ انسان اس کی تمنا کرے اور اس کے ملنے کے واسطے دعا کرے۔

# لطیفہ

۱۸۵۷ء میں جو میرٹھ سے باغی ترک سوار اور تلنگے[2] دلی میں آئے اور انھوں نے شہر پر اور قلعہ پر اپنا قبضہ کر لیا۔ تو وہ مئی مہینے کی گیارہ تاریخ تھی اور دوشنبہ کا دن تھا۔ قضا را جس دن ستمبر ۱۸۵۷ء میں دلی فتح ہوئی اور سرکش لوگ بھاگ گئے۔ وہ بھی دوشنبہ کا دن تھا۔ دو ایک دوستوں نے کہا کہ دیکھو کیا اتفاق ہے۔ دوشنبہ کو دلی کا جانا اور پھر دوشنبہ کو ہاتھ آنا۔ میں نے کہا کہ یہ ایک رمز ہے۔ اس کو یوں تصور کرو کہ جس دن شکست کھائی اسی دن فتح پائی یعنے دیر نہ لگی۔ ایک دن میں تدارک ہو گیا۔

# نقل

غدر[3] کے دنوں میں میں نہ شہر سے نکلا نہ پکڑا گیا نہ میری روبکاری ہوئی

---

[3] یہ دو نقلیں اور ایک لطیفہ بھی انتخاب غالب شائع کردہ محمد عبد الرزاق سے نقل کیا گیا۔

جس مکان میں رہتا تھا۔ وہیں بدستور بیٹھا رہا۔ بلیماروں کے محلے میں میرا گھر تھا
ناگاہ ایک دن آٹھ سات گورے دیوار پر چڑھ کے اس خاص کوچے میں
اتر آئے جہاں میں رہتا تھا اس کوچے میں بہمہ جہت (۵۰ یا ۶۰) آدمی کی بستی
ہو گی۔ سب کو گھیر لیا۔ اور اپنے ساتھ لے چلے مگر گرفتار نہیں کیا اور کسی کو بے حرمت
نہیں کیا۔ نرمی سے لے چلے۔ راہ میں سارجن بھی آ ملا اس نے مجھ سے صاحب سلامت
کے بعد پوچھا کہ تم مسلمان ہو۔ میں نے کہا کہ میں آدھا مسلمان ہوں۔ اس نے کہا وِل
صاحب آدھا مسلمان کیسا۔ میں نے کہا شراب پیتا ہوں۔ ہیم ہوک نہیں کھاتا غرض
کہ وہ مجھے کرنل برون صاحب کے پاس لے گیا۔ وہ چاندنی چوک حافظ قطب الدین
سوداگر کی حویلی میں اترے ہوئے تھے باہر نکل آئے اور میرا صرف نام پوچھا اوروں
سے نام بھی پوچھا اور پیشہ بھی پوچھا۔ نام میرا سن کر فرمایا کہ اسد اللہ خاں بڑے
تعجب کی بات ہے کہ باوٹی پر نہ آئے میں نے کہا آپ سنیں تو کہوں۔ کہا ہاں کہو۔ میں
نے کہا کہ تلنگے دروازے سے باہر آدمی کو نکلنے نہیں دیتے تھے۔ میں کیوں کر آتا۔ اگر
کچھ فریب کر کے کوئی بنا کے نکل جاتا جب باوٹی کے قریب گولی کے زد پر پہنچتا
پہرے والا گورا مجھے گولی مار دیتا۔ یہ بھی مانا کہ تلنگے باہر جانے دیتے۔ گورے
گوگی نہ مارتے۔ میری صورت کو دیکھئے اور میرا حال معلوم کیجیے۔ بوڑھا ہوں۔ پاؤں
سے اپاہج کانوں سے بہرا نہ لڑائی کے لائق۔ نہ مشورت کے قابل ہاں
دعا کرتا سو یہاں بھی دعا کرتا رہا کرنل صاحب ہنسے اور فرمایا اچھا تم اپنے گھر جاؤ اور
اپنے نوکروں اور اپنے علاقہ داروں کو ساتھ لے جاؤ باقی اہل محلہ سے
غرض نہ رکھو۔ میں خدا کا شکر بجا لایا اور کرنل برون صاحب کو دعا دیتا ہوا
اپنے گھر آیا۔

## پیش گاہ صاحب ایں سررشتہ

چونکہ مقدمات فوج داری نمبری اشاکڈن صاحب پیش ہوتے ہیں یہ مقدمہ انہیں صاحب بہادر کے اجلاس میں پیش ہوگا۔ اور صاحب عزت وغیرہ کو بحال (کذا) صاحب بہ خوبی جانتے ہیں یہ خط بخدمت مسٹر اشاکڈن صاحب بہادر پیش ہووے۔ ۲ دسمبر ۱۸۶۷ء

صاحب والا مناقب عالی شان سرچشمۂ لطف و احسان جناب صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی۔ دام اقبالہٗ۔

بعد عرض مدارج تعظیم و تسلیم گزارش کرتا ہوں کہ مجھے ایک شخص پر ازالہ حیثیت عرفی کی نالش کرنی منظور ہے اس واسطے اگرچہ میرے مدارج عزت آپ کو خوب معلوم ہیں لیکن چوں کہ اس دعوے کے بیان میں کچھ بیان اپنی عزت کا ضرور ہے۔ لہٰذا عرض کیا جاتا ہے کہ میں قوم کا ترک ہوں، دادا میرا شاہ عالم کے عہد میں ترکستان سے آیا۔ باپ اور چچا بہ سبب ضعف سلطنت مرہٹوں کی نوکری کرتے رہے۔ باپ میرا عبداللہ بیگ خاں بہادر سرکاری عملداری سے پہلے ایک لڑائی میں مارا گیا۔ حقیقی چچا میرا نصراللہ بیگ خاں بہادر جرنیل لیک بہادر کا رفیق مع چار سو سوار کے سرکشان ہند کی لڑائیوں میں شریک رہا۔ چار سو سوار کا بریگیڈیر اور لاکھ روپے کے پرگنے کا جاگیردار تھا۔ جرنیل صاحب کے سامنے بہ مرگ ناگاہ مرگیا۔ جاگیر موافق قرارداد سرکار میں بازیافت ہوئی اور میرے واسطے بہ عوض جاگیر کچھ نقدی سرکار سے مقرر ہوگئی پس میں رئیس زادہ بہ عوض جاگیر نقدی پانے والا ہوں۔ جاگیرداروں کے بعد میرا نمبر ہے اور باقی آپ کے دفتر سے لے کر دلی کی کمشنری اور لاہور کی لفٹنٹ گورنری، کلکتے کے گورنر جرنیل بہادر کے دفتر تک میرے مدارج عزت بخوبی ثابت ہیں ایک شخص امین الدین نام دلی کا رہنے والا کہ اب وہ پٹیالے میں راجا کے مدرسے کا مدرس ہے اس نے ایک کتاب لکھی۔ اگرچہ بنا کتاب کی بحث

علمی پر ہے. لیکن اس نے اس بحث علمی میں میرے واسطے وہ الفاظ ناشائستہ اور ایسی گالیاں دی ہیں کہ کوئی شخص کسی کولی چمار کو بھی یہ الفاظ نہ لکھے. اور ایسی گالیاں نہ دے گا ناچار میں نے منشی عزیزالدین صاحب کو اس مقدمے میں اپنا وکیل کیا ہے. امیدوار ہوں کہ بعد تصدیق وکالت نامہ سرشتۂ فوجداری میں یہ مقدمہ پیش ہو اور خاص آپ کی تجویز سے. اول سے آخر تک یہ مقدمہ فیصل ہو اور کسی محکمۂ ماتحت میں یہ مقدمہ سپرد نہ ہو.

فقط

راقم اسداللہ خاں غالب

مرقوم دوم دسمبر ۱۸۶۷ء

اسداللہ خاں

---

جو مجھ کو بہ نام امین الدین ساکن دہلی مدرس مدرسۂ پٹیالہ بابت ازالۂ حیثیت حسب دفعہ ۵۰۰، ۵۰۱ تعزیرات ہند بہ صیغۂ فوجداری نالش کرنی منظور ہے. لہٰذا میں نے اپنی طرف سے عزیزالدین وکیل سرشتہ کو واسطے گزراننے عرضی اور پیروی کرنے مقدمے کے وکیل کیا. وکیل مذکور جو کچھ سوال وجواب پیروی مقدمۂ ہذا میں کرے جملہ ساختہ پرداختہ اس کا مثل ذات خاص اپنی کے قبول و منظور ہے. اس واسطے یہ مختار نامہ لکھ دیا گیا. فقط

| گواہ شد | العبد | گواہ شد |
|---|---|---|
| دیبی پرشاد | محمد اسداللہ خاں | منشی وزیر علی |

المرقوم چہارم دسمبر ۱۸۶۷ء

صاحب والامناقب عالی شان سرچشمۂ لطف و احسان جناب ڈپٹی کمشنر بہادر دہلی زاد شوکتہ

بعد تعظیم و تکریم و اظہار آرزوئے بمواصلت کثیر الافادت التماس یہ ہے کہ تخمیناً تیسرا مہینہ ہے کہ میں نے بہ وکالت منشی عزیز الدین صاحب کے عدالت فوجداری میں ازالۂ حیثیت پیش کیا۔ وکالت نامہ تصدیق ہو گیا۔ اور میرا خط مع وکیل کے حضور میں گزرا۔ اور آپ نے وہ مقدمہ بجویز کے واسطے صاحب والاقدر اسٹاکٹن صاحب بہادر کے سپرد کیا۔ میری خوشی تو اس میں تھی کہ وہ مقدمہ آپ تجویز کرتے۔ اب بصد گونہ عجز و زاری استدعا کرتا ہوں کہ کاغذات مقدمہ وہاں سے منگائے جائیں اور حضور کے سامنے پیش کیے جائیں تاکہ امین الدین مدعی علیہ کی طلبی کا حکم پٹیالے کو جائے، اور بعد اس کے حاضر ہونے کے بہ مواجہ اس کے اور میرے وکیل کے مقدمہ تجویز ہو کر میری دادرسی ہو اور مدعا علیہ کو سزائے سخت ملے تاکہ پھر

---

[1] غالب کی "قاطع برہان" اور پھر "دافع کادیانی" کے جواب میں "محرق قاطع" "ساطع برہان" "قاطع قاطع" اور "مسوید برہان" لکھی گئیں۔ غالب سوائے "قاطع قاطع" کے ہر کتاب کا جواب دیا۔ چوں کہ قاطع قاطع کے مصنف مولوی امین الدین نے غالب کو بہت برا بھلا کہا تھا۔ بلکہ فحش اور واہیات کلمات لکھے تھے۔ اس لئے غالب نے ۲ر دسمبر ۱۸۶۷ء کو ازالۂ حیثیت عرفی کی نالش کر دی۔ یہ مقدمہ تقریباً ساڑھے تین مہینے چلا۔ آخر میں غالب کو یقین ہو گیا کہ وہ مقدمہ ہار جائیں گے تو مجبوراً ۲۲ر مارچ ۱۸۶۸ء کو دعوے واپس لے لیا۔ رسالہ اردو کے ایڈیٹر نے مقدمہ کی پوری کارروائی اصل مسل سے (رسالہ اردو اپریل ۱۹۳۳ء ص ۱۴۲ - ۱۷۰) نقل کی ہے۔ یہاں ہم نے صرف غالب کی تحریریں لی ہیں۔

کوئی چھوٹا آدمی بڑے آدمی کو ایسے کلمات تحقیر و ناسزا نہ لکھے مجھے یقین ہے کہ آپ اس اپنے تابع دار قدیم کی عرض قبول کرینگے اور به ذات خود میری داد رسی فرمائیں گے۔

فقط

راقم اسد اللہ خان غالب
۲۲ر جنوری ۱۸۶۷ء

---

## فارسی شعر کی شرح

در صفحہ نبودم ہمہ آنچہ در دلست
در بزم کمترست گل و در چمن بسیست

پھول باغ سے آیا کرتے ہیں۔ باغ میں ہزاروں پھول ہوتے ہیں مجلسوں میں دس دس پانچ پانچ ہوتے ہونگے۔ شاعر سمجھتا ہے۔ میرے مضامین پھول ہیں اور میرا دل چمن ہے۔ اور صفحہ انجمن ہے۔ مضامین اتنے ہی نہ تھے۔ جو دیوان میں آ گئے۔ چمن میں پھول اور دل میں معنی بہت ہیں۔ غالب [1]

---

[1] غالب نے کلیات فارسی کے حاشیہ پر یہ شرح لکھی تھی۔ جس کا عکس "آثار غالب" میں شائع ہوا ہے۔ قاضی عبد الودود کو یہ عکس خانصاحب قاسم حسن خاں نے دیا تھا۔

# لفافوں کے پتے

۱۔ در شہر بریلی کٹرہ مان رائے بدوکان حافظ احمد حسین صاحب سوداگر موصول و بخدمت مخدومی مکرمی مولوی عبدالجمیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مقبول باد از اسد مرسلہ شنبہ یکم دسمبر ۱۸۵۵ء پوسٹ پیڈ۔

---

۲۔ در بریلی بہ کٹرہ مان رائے بہ دکان حافظ احمد حسین صاحب سوداگر موصول و بخدمت مخدوم مکرم مولانا قاضی عبدالجمیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مقبول باد از اسد مرسلہ (......) ۱۸۵۶ء پوسٹ پڈ

---

۳۔ شہر بدایوں میں فرشوری ٹولہ محلہ میں جناب مولوی اساس الدین صاحب کے پاس پہنچ کر ان کے ذریعہ سے میرے شفیق عنایت فرما مولوی عبدالجمیل صاحب کو پہنچے۔ از غالب یکرنگ بیرنگ مرسلہ چہارم جون ۱۹۵۸ء۔

---

۴۔ در شہر بانس بریلی موصول و بخدمت قاضی صاحب شفیق مکرم و مخدوم معظم قاضی عبدالجمیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ مقبول باد مرسلہ اسداللہ روز جمعہ ۱۷ دسمبر ۱۸۵۸ء اسٹامپ پیڈ

---

۵۔ بریلی۔ ۳۰ ؍ جون سنہ ۶۱ء پیڈ
بخدمت قاضی صاحب شفیق مکرم و مخدوم معظم جناب قاضی عبدالجمیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ موصول باد۔

۶. بریلی جامع مسجد کے پاس. حضرت قاضی عبدالجمیل صاحب کی خدمت میں پہنچے. اسد یکرنگ. بیرنگ ۱۶ ماہ اکتوبر ۱۸۶۶ء

---

۷. بریلی بخدمت مخدومی مولوی عبدالجمیل صاحبزادہ مجدہٗ

مقبول باد پوسٹ پیڈ مرسلہ سہ شنبہ ۷ نومبر ۱۸۶۵ء. بازار بریلی قاضی صاحب. بر مکان قاضی عبدالجلیل صاحب رسیدہ.

شفقی منشی فضل حسن خانصاحب جو پتا ان حضرت کے مکان کا ہو خط پر لکھ دیں.[۱]

[۱] لفافوں کے یہ پتے ڈاکٹر عبدالستار صدیقی نے ہندوستانی داپریل ۱۹۳۲ء میں شائع کرائے تھے. ڈاکٹر صاحب نے چودہ لفافوں کے عکس بھی دیئے ہیں. یہاں چند پتے نقل کئے گئے ہیں.

# حواشی

ص/۳۱

۱- یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن غالباً یہ عبدالحق دہی ہیں جو مولانا فضل حق خیر آبادی کے صاحبزادے تھے۔ یہ ۱۲۴۴ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے اور ۱۳۱۶ھ میں انتقال کیا۔ ان کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "تذکرہ کاملانِ رامپور"۔ ص/ ۱۹۹-۲۰۱۔

۲- بہادر شاہ ظفر کے چودہ لڑکے تھے اس لئے یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ یہ کس شہزادے کی شادی کا ذکر ہے۔ اگر فرزندِ ارجمند سے مراد شہزادہ جواں بخت ہے۔ تو اُن کی شادی ۱۸۵۲ء میں ہوئی تھی۔ اُنھیں کی شادی پر غالبؔ نے اپنا مشہور سہرا لکھا تھا یہ سہرا بقول مولانا امتیاز علی خاں عرشی رامپوری ۲۸ مارچ ۱۸۵۲ء کو مولوی محمد باقر دہلوی کے اُردو اخبار میں شائع ہوا تھا۔ (دیوانِ غالبؔ: نسخہ عرشی ص/۳۲۳)۔

۳- صمصام الدولہ کا پورا نام احمد قلی خاں تھا۔ یہ نواب عباس قلی خاں کے بیٹے تھے۔ انکی بیٹی نواب زینت محل، بہادر شاہ کی بیگم تھیں۔ دربار بہادر شاہی کے خاص رکن تھے۔ اور عمائدین دہلی میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ دہلی پر جب انگریزوں کا قبضہ ہوا تو یہ نکل کر بھاگ گئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیئے گئے۔ بڑھاپے کی وجہ سے قید کی سختیاں برداشت نہ ہو سکیں اور وہیں قیدِ ہستی سے آزاد ہو گئے۔ ان کا مکان جو ایک لاکھ روپیہ مالیت کا تھا انگریزوں نے ضبط کر لیا"۔ ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ: خلیق احمد نظامی ص/۱۷۷۔

۴- چونکہ یہ علم نہیں ہو سکا کہ بہادر شاہ ظفر کے آخری لڑکے کی شادی کب ہوئی تھی۔ اس لئے اس خط پر قبل ۱۸۵۷ء کا سنہ ڈال دیا گیا ہے۔

ص/ ۳۲

۱۔ انوار الدولہ شفق کے والد افضل الدولہ احمد بخش خاں بہادر عرف میر منو متخلص بہ بیتاب تھے۔ یہ عماد الملک غازی الدین خاں خلف نظام الملک آصف جاہ کی اولاد سے تھے۔ شفق پہلے سید امجد علی قلق اور بعد میں غالب کے شاگرد ہوئے۔ (تلامذہ غالب ص/ ۱۷) نیز ملاحظہ ہو۔ گلستانِ سخن: صابر دہلوی ص/ ۲۸۹۔ ۲۹۰، سخن شعرا: عبدالغفور نساخ ص/ ۲۴۸۔ ۲۵۰، خم خانۂ جاوید جلد ۵ ص/ ۷۰۔

ص/ ۳۳

۱۔ خط پر تاریخ تحریر "سیوم شعبان و نہم مارچ سالِ حال" ہے۔ سالِ حال سے مراد ۱۸۵۸ء ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس خط میں غالب نے اپنی پنشن کے متعلق لکھا ہے۔ کہ "پنشن سے متعلق گورنمنٹ سے رپورٹ طلب ہوئی ہے" یہ واقعہ ۱۸۵۸ء کا ہے۔ اس کے علاوہ بھی ۱۸۵۷ء سے ۱۸۶۰ء تک بھی پنشن کے بند ہونے سے لے کر پنشن کے کھلنے تک ۱۸۵۸ء ہی وہ سال ہے جب شعبان کے مہینے میں انگریزی مہینہ مارچ تھا۔ البتہ غالب سے ایک سہو ہو گیا ہے۔ اس دن چار شعبان تھی یا ۸ رمارچ۔

ص/ ۳۴

۱۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں جب غالب کی تمام مصروفیات ختم ہو گئیں تو انھوں نے غدر کے حالات پارسی زبان میں لکھنا شروع کئے۔ اس میں التزام یہ کیا گیا تھا کہ عربی کا کوئی لفظ (سوائے ناموں کے) عبارت میں نہ آنے پائے۔ غالب نے جولائی ۱۸۵۷ء میں یہ کتاب لکھنی شروع کی اور یکم اگست کو یہ دفتر بند کر دیا۔ اس کا پہلا اڈیشن مطبع خلائق سے نومبر ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔ طباعت کا اہتمام مرزا ہر گوپال تفتہ، منشی نبی بخش حقیر، میرزا حاتم علی مہر، اور منشی شیو نرائن (مالک مطبع مفید خلائق) نے کیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "دستنبو کا ایک خاص نسخہ۔ سید جمیل الدین" نوائے ادب: جولائی ۵۶ء "دستنبوے غالب" مولوی مہیش پرشاد۔ ادبی دنیا (لاہور) نومبر ۱۹۴۱ء۔ ذکرِ غالب: مالک رام (تیسرا ایڈیشن)

ص / ۳۶

۱- سردار سنگھ والئ بیکانیر تھے، راجہ جودھ سنگھ والئ جودھپور کے لڑکے بیکا سنگھ نے اس ریاست کی بنیاد رکھی۔ اُن کی چوتھی پشت میں رائے سنگھ ۱۵۷۳ء میں مسند نشین ہوئے۔ انھیں کے زمانے میں ریاست کا تعلق مغل دربار سے ہوا۔ رائے سنگھ مغل رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ اور خدمات کے صلہ میں ۵۲ پرگنوں کی معافی عطا ہوئی۔ جب ۱۸۰۸ء میں جودھپور اور دوسری ریاستوں نے بیکانیر پر حملہ کیا تو مہاراجہ صورت سنگھ والئ ریاست نے برٹش گورنمنٹ سے مدد چاہی۔ ۱۸۱۸ء میں برٹش گورنمنٹ اور صورت سنگھ میں معاہدہ ہوا۔ صورت سنگھ کا ۱۸۲۸ء میں انتقال ہوا۔ ان کے لڑکے رتن سنگھ تخت نشین ہوئے۔ ۱۸۵۲ء میں ان کے لڑکے کو ریاست ملی۔ (یہی سردار سنگھ ہیں) انھوں نے غدر کے زمانے میں انگریزوں کی بہت مدد کی۔ اور ہانسی، حصار کے انقلابیوں کو روکنے کے لئے برٹش گورنمنٹ کی فوجی مدد کی۔ برٹش گورنمنٹ نے اکتالیس مواضع کی معافی دی۔ سردار سنگھ کا مئی ۱۸۷۲ء میں انتقال ہوا۔ (صحیفۂ زریں، پراگ نرائن بھارگو۔ ص/ ۵۱ - ۵۳)

ص / ۳۸

۱- ان کا پورا نام محمد سخاوت حسین مدہوش تھا۔ یہ محلہ چاہ میر بدایوں کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۲۰ء میں بدایوں میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی اور انگریزی جانتے تھے۔ ۱۸۶۰ء میں بدایوں سے شاہجہانپور آگئے اور یہاں وکالت شروع کردی۔ شاہجہانپور میں چالیس سال کے قریب رہے اپنی ذہانت اور علمیت کی وجہ سے پہلے وکیل عدالت دیوانی ہوئے۔ اور پھر آنریری مجسٹریٹ مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں بیمار پڑگئے۔ بیماری کے عالم میں شاہجہانپور سے بدایوں واپس جارہے تھے کہ راستے میں آنولہ ضلع بریلی میں اُن انتقال ہوگیا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو، غالب کا ایک نیا خط: ڈاکٹر گوپی چند نارنگ۔ اردوئے معلیٰ (غالب نمبر۔ دلی یونیورسٹی) ص/ ۹۵ - ۱۰۱، مدہوش بدایونی کے نام غالب کا ایک خط۔ فرخ جلالی۔ آج کل فروری ۱۹۶۰ء

ص / ۳۹

۱- سید فرزند احمد صفیر بلگرامی کے والد کا نام سید عبدالحی عرف میر سید احمد اللہ احمد تخلص تھا۔ اُن کا

خاندان بلگرام کا تھا۔ مگر صفیر کی ولادت ۲۸ ذی قعدہ ۱۲۴۹ھ (۹ اپریل ۱۸۳۴ء) کو مارہرہ میں ہوئی۔ جہاں ان کا ننھیال تھا۔ صفیر پانچ برس کی عمر میں خاندان کے ساتھ آرہ (ضلع شاہ آباد) آ گئے جہاں ان کے خاندان نے مستقل سکونت اختیار کر لی۔ صفیر نے پندرہ برس کی عمر سے شعر کہنا شروع کیا۔ سب سے پہلے سید محمد مہدی خبیر کے شاگرد ہوئے۔ کچھ سال بعد امان علی سحر سے تلمذ حاصل کر لیا۔ مرثیہ گوئی کا شوق ہوا تو مرزا دبیر کے شاگرد ہو گئے۔ صفیر ۱۲۸۰ھ میں غالب کے شاگرد ہوئے۔ صفیر اپنے ماموں شاہ عالم شائق (تلمیذ غالب) کے ساتھ دہلی گئے اور دو تین ماہ تک غالب کے ساتھ مقیم رہے۔ غالب کی وفات کے بعد صفیر نے کچھ دن غلام حسنین قدر بلگرامی سے بھی اصلاح لی۔ انھوں نے اردو شاعروں کا ایک تذکرہ تین جلدوں میں لکھا تھا۔ دو جلدیں چھپ گئی تھیں مگر تیسری جلد غیر مطبوعہ رہی۔ ۵۸ سال کی عمر میں ۲۱ رمضان ۱۳۰۷ھ (۱۱ مئی ۱۸۹۰ء) کو انتقال کیا۔ اور آرہ میں مدفون ہوئے۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو:۔ صفیر بلگرامی: عبدالمالک آروی "نگار" فروری ۱۹۳۴ء، حیاتِ دبیر ص/۲۵، خم خانۂ جاوید: جلد ۵ ص/۳۳۹-۳۴۱، آبِ بقا ص/۷۶-۷۸، مقام محمود: عبدالمالک آروی ص/۵۹-۸۰، بہار اور اردو شاعری ص/۱۱۵-۱۲۰، تلامذۂ غالب: ص/۱۹۳-۱۹۶۔

۲۔ صفیر کے نانا صاحب عالم تھے۔ جن سے غالب کو بہت عقیدت اور محبت تھی۔ اُن کے حالات بھی اس کتاب میں شامل ہیں۔

ص/۴۰

۱۔ محمد حسین خاں تحسین "مرزا غالب کے دوست کوچہ رحمان میں مصوروں کی حویلی میں رہتے تھے"۔ نادراتِ غالب ص/۱۳۸۔ غدر سے پہلے ان کا چھاپہ خانہ (مطبع مصطفائی) دہلی میں بہت مشہور تھا۔ غدر کے بعد میرٹھ میں مطبع احمدی جاری کیا۔ فنِ سخن میں حضرتِ ذوق سے فیض پایا۔" (خم خانۂ جاوید: جلد دوم ص/۴۵) سری رام نے ان کے دس منتخب اشعار بھی دیئے ہیں۔ غالب نے اپنے دیوان کے تیسرے ایڈیشن کی طباعت کی اجازت محمد حسین کو دے دی تھی۔ انھوں نے تیسرا ایڈیشن چھاپا جس پر مطبع احمدی واقع شاہدرہ دہلی لکھا ہوا ہے۔ یہ ایڈیشن اتنا غلط

چھپا کہ غالب نے خود ایک نسخہ کی تصحیح کرکے محمد حسین خاں کو پھر چھاپنے کے لئے دیا۔ یہ نسخہ آصفیہ لائبریری حیدر آباد میں موجود ہے۔ محمد حسین خاں نے دیوانِ غالب کا چوتھا ایڈیشن خود چھاپنے کی بجائے مطبع نظامی کانپور کو بھیج دیا تھا جہاں سے ذی الحجہ ۱۲۷۸ھ (جون ۱۸۶۲ء) میں شائع ہوا۔ یہ ایڈیشن ہارڈنگ لائبریری دہلی میں محفوظ ہے۔

۲۔ میر فخرالدین غالباً وہی صاحب ہیں۔ جو اکمل المطابع کے مہتمم تھے۔ اور جن کے زیر اہتمام "درفشِ کاویانی" ۱۲۸۲ھ میں شائع ہوئی تھی۔

۳۔ اس خط پر کوئی تاریخ نہیں ہے۔ غالب کے دیوان کا تیسرا ایڈیشن مطبع احمدی سے ۲۹ جولائی ۱۸۶۱ء کو شائع ہوا تھا۔ اور چوتھا ایڈیشن جون ۱۸۶۲ء میں مطبع نظامی کانپور میں چھپا۔ ظاہر ہے کہ یہ خط اسی درمیانی عرصہ کا ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ یہ ۱۸۶۱ء کے اواخر میں لکھا گیا۔

ص/۱۴

۱۔ مولوی ضیاء الدین خاں ضیا کے متعلق صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ وہ بسنتی دارا پور رئیس سابق کے پوتے تھے۔

۲۔ یہاں "دار دہوا" زائد ہے جسے غالب قلمزد کرنا بھول گئے۔

۳۔ مولانا فضل حق خیر آبادی کا شمار انیسویں صدی کے ان چند علماء میں ہے۔ جن پر ہندوستان کو ناز ہے۔ سرسید نے ان کا سنہ ولادت ۱۲۱۱ھ (آثار الصنادید: پہلا ایڈیشن ص/۱۱۲) اور انتظام اللہ شہابی نے ۱۲۱۲ھ (غدر کے چند علماء ص/۲۳) لکھا ہے۔ مولانا کافی عرصے تک دہلی میں انگریزی حکومت کے ملازم رہے۔ پھر نواب فیض محمد خاں نے جھجھر بلا لیا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے سلسلے میں گرفتار ہوئے۔ ان پر الزام تھا کہ جہاد کا فتوے انھیں کا لکھا ہوا ہے۔ بقول امتیاز علی خاں صاحب عرشی وہ دوسرے فضل حق شاہجہانپوری تھے جنھوں نے انقلاب میں حصہ لیا تھا۔ ان کی گرفتاری محض غلط فہمی کی وجہ سے ہوئی تھی۔ عدالت میں جب مخبر پیش ہوئے، تو انھوں نے مولانا کے متعلق صاف کہہ دیا تھا کہ یہ وہ مولانا نہیں۔ مگر انگریز پر تو جبر کا بھوت سوار تھا۔ شبہ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں حبسِ دوام بہ عبور دریائے شور

کی سزا دے دی۔ مولانا کو انڈمان بھیج دیا گیا۔ ان کے بعض احباب اور معتقدوں کی کوشش سے سزا منسوخ ہوگئی۔ مگر جب اُن کے صاحبزادے مولوی شمس الحق پروانۂ آزادی لے کر انڈمان پہنچے تو ایک دن پہلے یعنی ۱۲ر صفر المظفر ۱۲۷۸ھ کو اُن کا انتقال ہوگیا تھا۔" تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ آثار الصنادید : سر سید احمد خاں، پہلا ایڈیشن ص/ ۱۱۰ - ۱۱۲۔ غدر کے علماء: انتظام اللہ شہابی ص/ ۳۳ - ۴۵، باغی ہندوستان۔ مولانا فضل حق خیر آبادی (مولانا عبدالشاہد خاں شیروانی نے عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے) مولانا فضل حق خیر آبادی اور سنہ ۱۸۵۷ء کا فتوٰے جہاد۔ امتیاز علی خاں عرشی۔ تحریک (دہلی) اگست ۵۷ء ص/ ۸ - ۱۴۔ مالک رام۔ تحریک (دہلی) جولائی ۱۹۶۰ء، انتظام اللہ شہابی نے ان کتابوں کے بھی حوالے دیئے ہیں۔ امیر الروایات: میر شاہ خاں، تذکرہ سیر العلماء، مرتبہ حکیم بہاء الدین صدیقی گوپاموی، تذکرہ غوثیہ: مولانا گل حسن شاہ پانی پتی۔

۴۔ غالب نے اپنے کئی خطوں میں اپنے استاد عبدالصمد کا ذکر کیا ہے۔ قاضی عبدالودود کا خیال ہے کہ عبدالصمد کا خارجی وجود ثابت نہیں۔ مخالفین کا منھ بند کرنے کو یہ غالب کے ذہن کی اختراع ہے۔ لیکن مالک رام کو قاضی صاحب کے اس خیال سے اختلاف ہے۔ اُنھوں نے یادگارِ غالب اور دوسرے حوالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ عبدالصمد ایک پارسی تھے۔ اُن کا اصلی نام ہرمزد تھا۔ جب مشرف بہ اسلام ہوئے تو اُنھوں نے اپنا نام عبدالصمد رکھ لیا۔ وہ ہندوستان آئے تھے۔ اور اکبر آباد میں غالب کے پاس ٹھیرے تھے۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے ملاحظہ ہوں۔ ہرمزد ثم عبدالصمد: قاضی عبدالودود، احوالِ غالب ص/ ۲۴۳ - ۲۶۵، ملا عبدالصمد استادِ غالب: مالک رام: نوائے ادب۔ جنوری ۱۹۵۲ء۔

۵۔ بحت بہ معنی خالص، بے میل۔

۱۔ [۹۶/۱ ص] اس خط پر تاریخ تحریر نہیں ہے۔ البتہ غالب کی مہر لگی ہوئی ہے جس پر ۱۲۷۸ھ / ۱۸۶۱ء لکھا ہوا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط ۱۸۶۱ء میں لکھا گیا۔

ص / ۴۷

۱۔ قاضی نورالدین حسین فائق بھروچ (گجرات) کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام قاضی سید احمد حسین رضوی الشیروانی تھا۔ یہ خاندان علم و فضل کی وجہ سے بڑی عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا۔ فائق فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ گجرات کے اُردو شاعروں کا ایک تذکرہ مخزن شعرا لکھا تھا۔ غالب کا یہ خط اس تذکرے میں شامل ہے۔ یہ تذکرہ انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد نے ۱۹۳۳ء میں شائع کیا تھا۔ مولوی عبدالحق نے دیباچے میں فائق کی دو تصنیفات "جواہر الفقہ" اور "تحفۃ العرفان" مطبوعہ نول کشور کا ذکر کیا ہے۔ فائق کا ۱۲۸۶ھ میں انتقال ہوا۔
مخزن شعرا: دیباچہ

۲۔ میرزا شہاب الدین احمد خاں ثاقب دہلوی سے غالب کو بہت محبت تھی۔ "ثاقب" تخلص غالب ہی کا تجویز کیا ہوا ہے۔ یہ نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۴۰ء میں ولادت ہوئی۔ ظاہری تعلیم و تربیت اپنے والد سے پائی اور شعر و سخن میں غالب سے فیض اٹھایا۔ انگریزی حکومت نے انھیں دہلی میں آنریری مجسٹریٹ مقرر کیا تھا۔ تپ دق کے مریض تھے۔ اور اسی مرض میں ۱۹ اپریل ۱۸۶۹ء کو وفات پائی۔ ان کے چار صاحبزادے تھے شجاع الدین احمد خاں تاباں۔ بہاء الدین احمد خاں طالب۔ سراج الدین احمد خاں سائل اور ممتاز الدین احمد خاں مائل۔ ان میں سائل اور تاباں بحیثیت اردو شاعر کے بہت مشہور و معروف رہے ہیں۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ تلامذۂ غالب ص / ۱۔ ۴۷، خم خانۂ جاوید جلد ۲ ص ۱۶۶/۱۷۰۔ مالک رام نے اکمل الاخبار (۲۶ اپریل ۱۸۶۹ء) کا بھی حوالہ دیا ہے۔

۳۔ اجزاے شعراے گجرات کا تذکرہ "مخزن شعرا" مراد ہے۔ جو قاضی نورالدین حسین فائق نے غالب کے پاس نظر ثانی کے لئے بھیجا تھا۔

ص / ۴۸

۱۔ نواب احمد بخش خاں کے تین لڑکے تھے۔ نواب شمس الدین خاں، نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر و رخشاں۔ نواب احمد بخش خاں نے اپنی زندگی ہی میں جائداد کی تقسیم یوں کر دی تھی کہ فیروز پور جھرکا نواب شمس الدین احمد خاں کو ملا اور ریاست

لوہارو میں نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیاء الدین احمد خاں شریک رہے۔ مگر نواب شمس الدین چاہتے تھے کہ لوہارو کی ریاست بھی انھیں مل جائے اور دونوں چھوٹے بھائیوں کو مقررہ وظیفہ خزانے سے ملتا رہے۔ ریاست کے انتظام میں ان کا دخل نہ ہو۔ اس جھگڑے نے طول پکڑا۔ آخر ولیم فریزر ریذیڈنٹ دہلی کی کوششوں سے ۱۸۳۴ء میں ریاست لوہارو دونوں چھوٹے بھائیوں کو مل گئی۔ نواب شمس الدین احمد خاں ولیم فریزر کے دشمن ہو گئے۔ اور ۱۸۳۵ء میں اپنے ایک ملازم کے ہاتھوں اُسے قتل کرا دیا۔ قاتل گرفتار ہو گیا اور نواب صاحب کو پھانسی ہوئی۔ اس کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ TWILIGHT OF THE MUGHALS BY P. SPEAR۔ غالب کے نواب امین الدین احمد خاں اور ان کے چھوٹے بھائی نواب ضیاء الدین احمد خاں سے بہت گہرے مراسم تھے۔ ان کے بعض خطوط سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ نواب شمس الدین خاں سے کچھ ناخوش تھے۔ بلکہ فریزر کے قتل کے سلسلے میں غالب نے انھیں برا بھلا بھی لکھا ہے۔ نواب امین الدین احمد خاں کا انتقال ۱۸۶۹ء میں ہوا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ نواب شمس الدین احمد خاں، مالک رام۔ فروری آجکل ۵۲ء، مرزا غالب اور نواب امین الدین احمد خاں بہادر: حمیدہ سلطان۔ مارچ۔ برہان ۱۹۴۱ء، نواب الٰہی بخش خاں معروف: حمیدہ سلطان: جنوری، برہان ۱۹۴۲ء۔

۲۔ منشی نول کشور نے ۱۲۸۰ھ میں کلیات نثر غالب شائع کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مرزا نے نواب ضیاء الدین احمد خاں سے مشورہ لے کر منشی جی کو دے دیا لیکن کلیات چار سال تک نہ چھپ سکا۔ آخر ۱۲۸۴ھ میں شائع ہوا۔

۳۔ نواب زین العابدین خاں عارف کے والد شرف الدولہ نواب غلام حسین خاں سرور تھے۔ اور ان کی والدہ بنیادی بیگم غالب کی بیوی امراؤ بیگم کی چھوٹی بہن تھیں۔ عارف ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ غالب نے انھیں گود لے لیا تھا۔ تقریباً پینتیس ۳۵ سال کی عمر میں ۱۸۵۲ء میں عارف کا انتقال ہو گیا۔ غالب کی وہ مشہور غزل جس کا مطلع ہے۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور    تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

انھیں کی یاد میں لکھی گئی ہے۔ ان کے دو صاحبزادے تھے۔ باقر علی خاں کامل اور حسین علی خاں شاداں۔ ان دونوں بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت غالب ہی نے کی تھی۔ ان کے دیوان کا قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد میں محفوظ ہے۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ غالب اور عارف: شاہد صدیقی۔ آج کل فروری ۵۹ ء، نواب زین العابدین خاں عارف: حمیدہ سلطان۔ برہان۔ فروری ۱۹۵۴ء۔

۴۔ اس خط پر کوئی تاریخ تحریر نہیں ہے۔ منشی نول کشور نے ۱۸۶۲ء میں نواب ضیاء الدین خاں کے صاحبزادے نواب شہاب الدین ثاقب سے کلیات فارسی چھاپنے کے لئے منگوایا تھا۔ اس لئے یہ خط اسی سال کا قرار پائے گا۔

ص ۹/۴

۱۔ منشی نول کشور کے دادا رائے بالمکند آگرے میں ضلع کے خزانچی تھے۔ اور والد منشی جمنا پرشاد زمیندار تھے۔ منشی نول کشور کالج سے فارغ ہو کر لاہور گئے۔ یہاں منشی ہرسکھ رائے مالک کوہِ نور پریس کی ملازمت کر لی۔ ۱۸۵۷ء کے غدر میں لکھنؤ آ گئے۔ یہاں اپنا ذاتی پریس مطبع نول کشور کھول لیا۔ اس پریس نے اتنی ترقی کی کہ ۱۸۸۴ء میں جب ایک امریکن اسے دیکھنے آیا تو اس نے کسی اخبار میں اس پریس کے متعلق لکھا "اس مطبع کا رقبہ اس قدر بڑا ہے کہ یورپ میں اس کی قیمت پانچ لاکھ ڈالر سے کم نہ ہوگی ...... میں نے ایک کمرے میں اکٹھے پریس شمار کئے جو ہاتھوں سے چلائے جاتے ہیں ..... اس مطبع میں بارہ سو آدمیوں سے کم نہیں (صحیفہ زریں، خاتمہ ص ۳-۱) منشی جی آنریری مجسٹریٹ، ممبر میونسپل کمیٹی، جیل کے آنریری انسپکٹر اور الہ آباد یونیورسٹی کے فیلو رہ چکے تھے، ۱۸۸۸ء میں انھیں گورنمنٹ سے سی۔ آئی۔ ای کا خطاب ملا۔ ۱۹ فروری ۱۸۹۵ء کو انتقال ہوا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ صحیفہ زریں مرتبہ پراگ نارائن بھارگو، مطبوعہ نول کشور ۱۹۰۲ء، منشی نول کشور: امیر حسن نورانی، تہذیب (پٹنہ) ستمبر ۱۹۵۲ء۔

۲۔ غدر میں غالب کی پنشن اور خلعت بند ہو گئے تھے۔ مئی ۱۸۶۰ء میں ان کی پنشن تو ملنی شروع ہو گئی۔ لیکن خلعت بدستور بند رہا۔ آخر غالب کی کوشش سے یہ خلعت اور درباری اعزاز ۳ مارچ ۱۸۶۳ء کو پھر شروع ہو گیا۔ لفٹیننٹ گورنر بہادر سے غالب کی مراد رابرٹ منٹگمری ہے۔

ہے جو پنجاب کا گورنر تھا۔

۲۔ غالب نے اس خط میں لکھا ہے کہ آخر ماہِ گذشتہ کو انھیں خلعت ملا تھا (دراصل ۳ مارچ ۱۸۶۳ء کے دربار میں غالب حاضر نہ ہو سکے تھے) اس لئے یہ خط فروری ۱۸۶۳ء میں لکھا جانا چاہیئے۔

ص/۵۱

۱۔ ان کے حالاتِ زندگی ص/۳۹ کے حاشیہ نمبر ۱ میں لکھے جا چکے ہیں۔

۲۔ صاحبِ عالم۔ مارہرہ میں سرکارِ خورد کے سجادہ نشین تھے۔ مارہرہ میں ایک بزرگ شاہ برکت اللہ تھے۔ جن کا انتقال ۱۱۴۲ھ میں ہوا۔ انتقال کے بعد ان کی جاگیر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی ایک گدی کو "سرکارِ کلاں" اور دوسری کو "سرکارِ خورد" کہتے تھے۔ صاحبِ عالم دوسری گدی کے سجادہ نشین تھے۔ صاحبِ عالم سے قبل اس گدی کے سجادہ نشین اُن کے والد سید خورشید علی بلگرامی عرف پیارے صاحب تھے۔ صاحبِ عالم کی ولادت ۲۹ اکتوبر ۱۷۹۶ء کو اور وفات ۲۴ مارچ ۱۸۷۱ء کو ہوئی۔

۳۔ غالب کی صاحبِ عالم سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اُنھوں نے اُنھیں بارہا مدعو کیا لیکن ہر دفعہ کوئی نہ کوئی ایسی مجبوری آڑے آ گئی۔ کہ غالب نہ جا سکے۔ اس لئے غالب ان تعلقات کو "نسبتِ اویسی" کہتے ہیں۔

۴۔ چودھری عبدالغفور سرور مارہرہ ضلع ایٹہ کے رہنے والے تھے۔ غالب اور صاحبِ عالم کے گہرے دوستوں میں تھے۔ غالب سے تلمذ بھی تھا۔ خطوطِ غالب کا پہلا مجموعہ "مہرِ غالب" کے نام سے انھوں نے ہی ترتیب دیا تھا۔ جو بعد میں اضافے کے ساتھ "عودِ ہندی" کے نام سے چھپا۔ سرور کے نام غالب کے مزید خطوط جناب آفاق حسین آفاقی کے مرتبہ "نادراتِ غالب" میں شائع ہو چکے ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تلامذۂ غالب۔ ص/۱۵۰-۱۵۱؛ غالب کا ایک غیر مطبوعہ خط اور چند اصلاحیں: مختار الدین احمد آرزو۔ آجکل۔ فروری ۱۹۵۵ء۔

ص/۵۳

۱۔ حکیم محب علی حضرت محمد ابن الحنفیہ کی بتیسویں پشت میں تھے۔ حکیم صاحب کے پردادا شیخ محبوب عالم اٹاوے کے چکلے دار تھے۔ دادا شیخ عاشق علی ملازمت کے سلسلے میں گلاؤٹھی

(ضلع میرٹھ) میں رہتے تھے۔ اور والد حکیم مشتاق علی مین پوری میں مطب کرتے تھے۔ خود حکیم محب علی بھی مین پوری میں مطب کرتے تھے۔ اور وکالت بھی۔ ملاحظہ ہوں۔ ہندوستانی ۱۹۴۴ء تذکرہ مشاہیر کاکوردی: مولوی حافظ علی حیدر۔ اس خط پر مکتوب علیہ کا نام نہیں تھا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی لکھتے ہیں۔ "مشکور علی صاحب کے والد حکیم محب علی مرحوم کے متعلق بعض ذرائع سے معلوم ہوا کہ غالب سے خط وکتابت کے ذریعہ اصلاح لیا کرتے تھے۔ اور یہ پہلا خط ہے جو غالب نے اُن کے خط کے جواب میں بھیجا تھا۔

ص / ۵۴

۱۔ نواب محمد مصطفیٰ خاں شیفتہ ۱۸۰۶ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ شنگش، مہاراجہ جسونت رائے ہلکر کے ملازم تھے۔ چونکہ اُنھوں نے مرہٹوں اور انگریزوں میں صلح کرائی تھی۔ اس لئے لارڈ لیک نے ۱۸۱۳ء میں ہوڈل وپلول کی جاگیر انھیں عطا کی جو تین لاکھ سالانہ کی تھی۔ جہانگیر آباد اُنھوں نے خریدا تھا۔ نواب مرتضیٰ کی وفات کے بعد ہوڈل اور پلول کی جاگیر واپس لے لی گئی اور بیس ہزار روپیہ سالانہ مقرر کر دیا۔ جہانگیر آباد بدستور نواب شیفتہ کی ملکیت رہا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں جہانگیر آباد کو غیر محفوظ سمجھ کر، یہ عبداللطیف رئیس خان پور کے ہاں گئے۔ ٹھاکروں کو موقع ہاتھ آگیا۔ اُنھوں نے جہانگیر آباد کو لوٹ لیا۔ کچھ دن بعد تلنگوں کی فوج نے ٹھاکروں سے علاقہ خالی کرا کر پھر نواب شیفتہ کو دے دیا۔ لیکن حکومت نے شیفتہ کو گرفتار کر لیا۔ اُن پر الزام تھا کہ اُنھوں نے ایسے نازک وقت پر جہانگیر آباد کو چھوڑ کر باغیوں کی اعانت کی۔ جاگیر ضبط ہو گئی اور سات سال کی قید ہوئی۔ لیکن کچھ دن بعد رہا کر دیئے گئے۔ ۱۸۶۹ء میں اُن کا انتقال ہوا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ تلامذۂ غالب ص ۱۷۸۔۱۹۱، دیباچہ کلیات شیفتہ، خم خانۂ جاوید جلد پنجم۔ ص ۱۵۵۔۱۶۲، معارف ستمبر ۱۹۵۴ء

۲۔ اس خط پر صرف تاریخ "۸ / مئی" لکھی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا خیال ہے کہ یہ ۱۸۶۳ء اور ۱۸۶۵ء کے درمیان کا ہے۔

ص / ۵۵

۱۔ صغیر بلگرامی نے بوستان خیال کی دو جلدوں کا اُردو ترجمہ "پرستانِ خیال" اور "موافق الخیال"

کے نام سے کیا تھا۔

۲۔ میر ولایت علی "مطبع عظیم المطابع" عظیم آباد پٹنہ کے مہتمم تھے۔

ص/ ۵۹

۱۔ قاضی عبدالجمیل جنون بریلوی ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوئے۔ فارسی، عربی اور ریاضی میں مہارت حاصل کی حکومت کی طرف سے صدر الصدور مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۰ء میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ ۲۰ مئی ۱۹۰۰ء کو انتقال ہوا۔ ملاحظہ ہوں۔ تلامذۂ غالب۔ ص ۷۷۔۷۸، خم خانۂ جاوید۔ جلد دوم ص ۲۷۶ تا ۲۷۸

ص/ ۶۱

۱۔ نواب محمد یوسف علی خاں ناظم ۵ مارچ ۱۸۱۶ء کو پیدا ہوئے۔ یہ نواب محمد سعید خاں بہادر کے لڑکے تھے۔ ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں دہلی آئے۔ مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا فضل حق خیرآبادی سے عربی اور غالب سے فارسی پڑھی۔ ۱۸۵۵ء میں نواب محمد سعید خاں کے انتقال پر رامپور کی گدی انھیں ملی۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں قوم پرستوں کی مخالفت کے سلسلے میں انگریزی حکومت سے بیس ہزار روپے کا خلعت اور فرزندِ دل پذیر کا خطاب پایا۔ ۲۱ اپریل ۱۸۶۵ء میں انتقال ہوا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہوں۔ اخبار الصنادید، نجم الغنی، انتخاب یادگار امیر مینائی، تلامذۂ غالب۔ ص/ ۲۷۱۔۲۷۸، دیوان ناظم میں غالب کا حصہ، شیخ محمد اکرم: نقدِ غالب ص/ ۲۸۶۔۳۱۳۔

ص/ ۶۲

۱۔ فیض صفیر میں اس خط پر ۱۶ اپریل ۱۸۶۵ء تاریخ لکھی ہوئی ہے۔ اس خط کا لفافہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔ اس پر ۶ اپریل ہے۔ ظاہر ہے صفیر سے سہو ہوا ہے۔ لفافہ پر پتہ یہ درج ہے:۔

> در عظیم آباد۔ پٹنہ۔ بہ محلہ کشمیری کوٹھی مطبع عظیم المطابع موصول و بخدمت جناب سید ولایت علی صاحب مہتمم مطبع مذکور زاد مجدہ مقبول باد بیدھڑ ضروری جواب طلب۔
>
> (زمانہ مئی و جون ۱۹۴۹ء۔ ص/ ۱۵۲)

ص/ ۶۳

۱۔ آشوب کے والد منشی رام نرائن فارسی اور سنسکرت کے ماہر تھے۔ آشوب ۱۸۳۸ء میں پیدا ہوئے

یہ دلّی کالج میں مولانا ذکاء اللہ، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا محمد حسین آزاد اور مولوی کریم الدین وغیرہ کے ہم سبق رہے۔ تعلیم سے فارغ ہو کر ۱۸۵۰ء میں بریلی میں ملازمت کرلی۔ ایک سال بعد بریلی سے پنجاب آ گئے۔ ۲۸ جولائی ۱۸۶۵ء کو دہلی سوسائٹی کے سیکریٹری منتخب ہوئے۔ اور اس وقت آشوب دہلی میں نارمل اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ لاہور تبادلہ ہو جانے کی وجہ سے انھیں ۹ دسمبر ۱۸۶۸ء کو سوسائٹی کے سکریٹری شپ سے استعفا دینا پڑا۔ ۲۸ مئی ۱۹۱۴ء کو ان کا انتقال ہوا۔ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہوں۔ حیاتِ آشوب؛ امداد صابری، ماسٹر پیارے لال آشوب: علامہ کیفی دہلوی۔ قدیم دلی کالج نمبر ص/۲۹-۳۲۔ دہلی سوسائٹی اور غالب: ڈاکٹر عبدالستار صدیقی۔ احوال غالب۔ ص/۱۷۲-۱۹۰، ماسٹر پیارے لال: حامد علی خاں۔ ہمایوں (لاہور) مئی ۱۹۴۰ء ص/۳۳۲-۳۳۸، خم خانۂ جاوید۔ جلد اوّل۔ ص/۸۰-۸۴؛

۲۔ سوسائٹی کا قیام کرنل ہیملٹن کمشنر بہادر کی سرپرستی میں ہوا تھا۔ اسسٹنٹ سیکریٹری سے غالب کی مراد فنٹر چیپر ٹک سے ہے۔

۳۔ اس سوسائٹی کا پہلا جلسہ ۲۸ جولائی ۱۸۶۵ء کو ہوا تھا۔ جس میں عہدہ داران کا انتخاب ہوا تھا۔ اور ۱۱ اگست ۱۸۶۵ء کو غالب نے سوسائٹی کے جلسے میں مضمون پڑھا تھا۔ جو غالب کی نادر تحریریں" میں شامل ہے۔ اس لئے یہ خط اگست کی بالکل ابتدائی تاریخوں کا معلوم ہوتا ہے۔

ص/۶۴

۱۔ امتیاز علی خاں صاحب عرشی کا خیال ہے کہ اس خط کے مکتوب الیہ مولوی محمد محسن خان بہادر صدر الصدور ہیں۔ (اورینٹیل کالج میگزین۔ ص/۶۴)۔

۲۔ مولوی محمد حسین تبریزی کی 'برہانِ قاطع' پر غالب کو بہت جگہوں پر اعتراض تھا۔ انھوں نے اپنے اعتراضات کو مرتب کر کے ۱۸۶۲ء میں مطبع نول کشور سے "قاطع برہان" کے نام سے چھپوایا۔ پھر ۱۸۶۵ء میں قاطعِ برہان میں کچھ اور مطالب اور اعتراضات کا اضافہ کر کے "درفشِ کاویانی" کے نام سے اکمل المطابع دہلی سے چھپوایا۔

۳۔ جنوری ۱۸۶۶ء میں غالب رامپور سے واپس آئے تھے۔ اس خط پر تاریخ تحریر ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء ہے۔ اور مرزا لکھتے ہیں کہ پرسوں.... گھر پہنچا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ۹ جنوری کو دہلی پہنچے۔ یہاں غالب سے تاریخ لکھنے میں سہو ہوا۔ غالب ۸ جنوری کو دہلی پہنچے۔ خود انھوں نے نواب خلد آشیاں کو (مکاتیبِ غالب ص/۱۱۰)

یہی تاریخ لکھی ہے۔

ص/۶۵

۱۔ اس خط پر مکتوب الیہ کا نام نہیں تھا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا خیال ہے کہ یہ خط مولوی ضیاء الدین خاں ضیا کے نام ہے۔ کیونکہ انھیں دو خط ایک ساتھ ملے تھے۔ ایک پر مولوی ضیاء الدین کا نام لکھا تھا۔ (وہ خط بھی غالب کی نادر تحریریں ص/۸۲ میں شامل ہے) دوسرے خط پر کوئی نام نہیں تھا۔ لیکن القاب، وہی تھا جو پہلے خط پر تھا۔ یعنی "مولوی صاحب" ہندستانی ۱۹۴۳ء ص/۹۷۔۹۸۔

ص/۶۶

۱۔ صاحبِ عالم کے مختصر حالاتِ زندگی ص/۵۱ کے حاشیہ نمبر۲ میں بیان کر دیے گئے ہیں۔

۲۔ ظاہرا صفیر بلگرامی کے جس دیباچے کا عظیم آباد روانہ ہونے کا ذکر ہے اس سے مراد فیض صفیر رسالہ تذکیر و تانیث کا دیباچہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دیباچہ لکھ کر غالب نے مارہرہ بھیج دیا تھا۔ وہاں سے عظیم آباد کو روانہ ہوا۔ یہ دیباچہ فیضِ صفیر اشاعتِ اول اور عودِ ہندی میں موجود ہے۔ مختار الدین احمد آرزو: احوالِ غالب۔ ص/۹۵۔

ص/۶۷

۱۔ مولوی نعمان احمد مہیوا ضلع سیتاپور کے تعلقہ دار تھے۔ مہیوا سیتاپور سے اٹھارہ انیس میل شمال مغرب کی جانب واقع ہے۔ یہ علاقہ مولوی مظہر علی کو غدر میں ملا تھا۔ راجگان و تعلقداران اودھ کے مختلف تذکروں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مولوی مظہر علی زمانیہ ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد رفیع اللہ زمانیہ ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ ورنہ اُن کا خاندان مرشد آباد سے تعلق رکھتا تھا۔ مولوی نعمان احمدؒ مولوی مظہر علی کے بھائی اور مولوی سبحان احمدؒ کے بیٹے تھے۔ ان کا تاریخی نام "چراغ احمد" تھا۔ اس سے سنہ ۱۲۵۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ اُن کا انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ ذوقِ ادب اور شعور: ص/۱۲۸۔۱۳۳۔ تواریخ معہ تصاویر راجگان و تعلقداران ملک اودھ: داروغہ حاجی عباس علی گورنمنٹ پنشنر "مطبع نول کشور" ص/۹۱۔

۲۔ ملاحظہ ہو ص/۶۴ حاشیہ نمبر۳۔

ص/ ۷۴

۱۔ ملاحظہ ہو ص/ ۵۱ حاشیہ ۴

۲۔ سرور نے ۳۶ شعروں کا ایک اُردو قصیدہ اور ۹ قطعات غالبؔ کے پاس بغرضِ اصلاح بھیجے تھے۔ یہ قصیدہ اور قطعات آج کل فروری ۱۹۵۵ء ص/ ۳-۶) میں شائع ہو چکے ہیں۔ خدمت سے غالباً ان اشعار کی اصلاح مراد ہے۔

۳۔ مراد ہے صفیرِ بلگرامی سے۔ صفیرؔ بلگرامی کے ہاں ۱۲۸۳ھ میں لڑکا پیدا ہوا تھا۔ سرورؔ نے اس سلسلے میں تہنیت کے قطعات لکھے ہیں۔ اور اب غالبؔ صفیرؔ کو مبارکباد کا خط لکھنا چاہتے ہیں۔ مختار الدین احمد آرزوؔ۔ نقوش: مکاتیب نمبر جلد اوّل۔ ص/ ۱۰۵۔

ص/ ۷۵

۱۔ آگرے میں نومبر ۱۸۶۶ء میں گورنر جنرل کا دربار ہوا تھا۔ جس میں والیانِ ریاست وغیرہ کو مدعو کیا گیا تھا۔ نواب کلب علی خاں بھی شرکت کے لئے گئے تھے۔ مگر طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے آدھے راستے سے لوٹ آئے۔

ص/ ۷۶

۱۔ ملاحظہ ہو ص/ ۴۸ حاشیہ ۱

ص/ ۷۷

۱۔ محمد حسین خاں مطبع دبدبۂ سکندری رامپور کے مالک تھے۔ اور دبدبۂ سکندری ہی کے نام سے ایک ہفتہ واری پرچہ بھی نکالتے تھے۔

ص/ ۸۱

۱۔ میناؔ مرزا پوری کے حالات نہ معلوم ہو سکے۔ مالک رام کا خیال ہے کہ تمنّا مرزا پوری اور میناؔ مرزا پوری دونوں ایک ہی شخص ہیں۔ میناؔ اور تمنّا میں تصحیف ہو گئی ہے۔ تلامذۂ غالب۔ ص/ ۲۶۸ - ۲۶۹۔

ص/ ۸۲

۱۔ انگر کے بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا کہ وہ مرزا پور کے رہنے والے تھے۔

ص/۸۴

۱- اس خط کے مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ اور خط پر تاریخ بھی نہیں ہے۔ قیا
ہے کہ یہ خط ۱۸۶۷ء کا ہے۔ کیونکہ غالب نے اس خط میں اکمل الاخبار اور اشرف الا
میں اعتذار چھپوانے کے متعلق لکھا ہے۔ یہ اعتذار غالباً اگست ۱۸۶۷ء میں چھ
تھا کیونکہ غالب نے میاں داد خاں سیاح کے نام ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء کے ایک
خط میں اس کا ذکر کیا ہے۔ خطوطِ غالب جلد دوم۔ ص/۱۷۴-۱۷۵۔

ص/۸۵

۱- نواب علاؤ الدین خاں علائی، نواب امین الدین احمد خاں کے صاحبزادے تھے
وہ ۲۵ اپریل ۱۸۳۳ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی ابتدائی تعلیم غالب کی
زیرِ نگرانی ہوئی۔ فارسی، عربی اور ترکی میں بھی معقول استعداد تھی۔ والد کی وفات
بعد لوہارو کی گدی انھیں کو ملی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۸۸۴ء کو انتقال ہوا۔ تفصیلی حالات
کے لئے ملاحظہ ہو۔ مرزا غالب اور نواب امین الدین احمد خاں بہادر: برہان۔ ما
۱۹۴۳ء، نواب علائی مرحوم: حمیدہ سلطان۔ برہان۔ نومبر ۱۹۴۳ء تلامذۂ غالب
ص/۲۳۹-۲۴۴۔

۲- غالب کے منظوم خط کے جواب میں علائی نے بھی یہ منظوم رقعہ لکھا تھا۔

خوشی ہے ہمیں آنے کی آپ کی | کہ باہم پئیں بادہ اور آم کھائیں
سر آغاز موسم میں کیا خوب یہ | جو دلّی سے حضرت لہارو کو آئیں
عجب لطف ہی یہاں کی برسات میں | کہ پھر وہ کہیں نام کو بھی نہ پائیں
سر دلی کے وہ ڈال پر سبز آم | وہ دلّی سے انگور ہر شام آئیں
کریں حکم باورچیوں کو کہ ہاں | ابھی جا کے ہر چیز جلد ہی پکائیں
وہ لیں باغ سے جا کر املی کے پھول | وہ جنگل سے کڑوے کریلے منگائیں
وہ بے ریشہ بکری کا لحم طری | کہ کیا کیا اسے کھا کے ہم حظ اٹھائیں
کہیں اُن کو بے مہر و کاہل اگر | لہارو وہ اس بات پر بھی نہ آئیں

خوانمت سوئے خویش و ندانم کہ مردہ

دانم کہ چوں توئی منع خرام نیست

پندار من زحسن تجلی لال بیگ

مرگت چو شیخ سدو زراہ حرام نیست

یہ خط بھی معارف میں غالب کے منظوم رقعہ کے ساتھ چھپا تھا۔

۲۔ عرشی صاحب کا خیال ہے کہ یہ رقعہ ۱۸۶۵ء اور ۱۸۶۷ء کے درمیان لکھا گیا۔ (دیوانِ غالب نسخۂ عرشی۔ ص/۳۷۴-۳۷۵)۔

۸۶/

۱۔ سید محمد زکریا خاں زکی تخلص ۱۸۳۹ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید محمود خاں محمود بھی شعر کہتے تھے۔ زکی نے فارسی، عربی، منطق اور ریاضی کی تعلیم غالب امام بخش صہبائی اور پنڈت رام کرشن سے لی۔ ۱۸۵۷ء میں دہلی کو خیر باد کہا۔ اور یو۔پی میں ملازم ہوگئے۔ ۱۹۰۳ء میں انتقال کیا۔ مزید حالات کے لئے ملاحظہ ہو۔ تلامذۂ غالب ص/۱۳۷-۱۴۰، خم خانۂ جاوید جلد سوم۔ ص/۶۲۵-۶۲۶۔

۸۹/

صوفی منیری کا پورا نام جلیل الدین حسین اور کنیت ابو محمدؐ، صوفی تخلص تھا اور شاہ فرزند علی کے نام سے مشہور تھے۔ دانشمند نیشاپوری ان کے جدِ اعلیٰ تھے۔ یہ خاندان بہار شریف محلہ دیبی سرائے کا رہنے والا تھا۔ صوفی کی ولادت ۹ شوال ۱۲۵۳ء (۶ جنوری ۱۸۳۸ء) کو منیر شریف ضلع پٹنہ میں ہوئی۔ صوفی نے اپنے بھائی کے ساتھ اپنی ننھیال منیر شریف میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ صوفی منیر شریف کی خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔ انھوں نے مولوی حسام الدین حیدر اور مولوی فیض اللہ سے اسلام پور میں عربی پڑھی۔ فارسی اور عربی میں اچھی استعداد تھی۔ تاریخ گوئی میں بے مثل تھے۔ اردو نظم و نثر میں متعدد تصانیف یادگار ہیں۔ ان کی دو غیر مطبوعہ مثنویاں "روش عشق" اور "کشش عشق" خانقاہِ اسلام پور میں محفوظ ہیں۔ یہ مثنویاں اردو کراچی ۱۹۵۰ء میں بھی چھپ چکی ہیں۔

۶ ذی قعدہ ۱۳۱۸ھ (۲۵ فروری ۱۹۰۱ء) کو اسلام پور میں انتقال ہوا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوں:۔ غالب کی اصلاح ایک مثنوی پر۔ مولوی مہیش پرشاد: ہندوستانی ۱۹۳۵ء۔ ص/ ۲۳-۳۳، حضرت صوفی منیری: سید محمد عثمان ابدالی۔ معارف جون ۱۹۲۳ء ص/ ۴۵۲-۴۵۹، تلامذہ غالب ص/ ۱۹۶-۱۹۸۔

ص/ ۹۰

۱۔ اس خط پر کوئی تاریخ تحریر نہیں ہے۔ لیکن اندازہ ہے کہ یہ دسمبر ۱۸۶۸ء اور فروری ۱۸۶۹ء کے درمیان لکھا گیا۔ غالب کی تاریخ ولادت ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء ہے۔ اس خط میں غالب نے لکھا ہے کہ میں اکہتّر برس کا ہوگیا ہوں۔ وہ دسمبر ۱۸۶۸ء میں اکہتّر برس کے ہوئے تھے اور ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء کو اُن کا انتقال ہوگیا تھا۔ اس لئے یہ خط اسی درمیانی زمانے کا یعنی دسمبر ۱۸۶۸ء اور فروری ۱۸۶۹ء کا ہونا چاہیے۔

ص/ ۹۵

۱۔ حبیب اللہ ذکا ۱۲۴۴ھ (۱۸۳۰ء) میں اودگیر ضلع نیلور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام حافظ محمد میران تھا۔ ابتدائی تعلیم بڑے بھائی منشی رحمت اللہ رسا سے حاصل کی۔ جو راجہ مکٹ گری کے دیوان تھے۔ مدراس جاکر فارسی اور عربی پڑھی۔ شاعری میں پہلے میر مہدی ثاقب کے شاگرد ہوئے۔ پھر سید میر مرتضیٰ بینش کے تلمیذ ہوگئے۔ ۵۶-۱۸۵۵ء میں حیدرآباد آئے۔ اور نواب سالار جنگ کے میر منشی مقرر ہوئے۔ ۱۸۶۲ء میں غالب کے شاگرد ہو گئے۔ ۱۸۷۵ء میں انتقال ہوا۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ نگار: اپریل ۵۹ء ص/ ۹-۱۱، تلامذۂ غالب۔ ص/ ۱۰۵-۱۱۰، گلزارِ اعظم مصنفہ نواب غوث خاں اعظم۔ ص/ ۱۹۷-۱۹۹، محبوب الزمن جلد اوّل ص/ ۴۴۳-۴۴۶، تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر ہفتم ص/ ۶۳-۶۴، تاریخ نوبط مولفہ نواب عزیز جنگ۔

۲۔ غالباً یہ قصیدہ ریاست حیدرآباد کے نامور وزیر اعظم میر تراب علی خاں مختار الملک سر سالار جنگ اوّل (۱۸۲۹ء-۱۸۸۳ء) کی مدح میں لکھا تھا۔ غالب کا یہ قصیدہ مدت ہوئی نواب سالار جنگ کے دفتر سے برآمد ہو چکا ہے۔ یہی قصیدہ جیسا کہ غالب نے لکھا ہے۔ انکی کلیات فارسی میں شائع ہوگیا ہے (مبارز الدین رفعت: نگار ۱۹۵۹ء ص/ ۱۱)، قصیدہ کا مطلع ہے ؎ در مدح سخن چرا نگویم　　　　شرطیست کہ داستاں نگویم

ص/ ۹۸

۱- مرزا یوسف علی خاں عزیزؔ کے والد مرزا نجف علی خاں جنونؔ بنارس کے رہنے والے تھے۔ اور بنارس چھوڑ کر علی گڑھ میں مقیم ہو گئے تھے۔ جنونؔ کافی عرصہ تک دہلی کے اطراف میں سرشتہ داری اور تحصیلداری کے عہدوں پر فائز رہے جنوری ۱۸۵۴ء میں اُن کا انتقال ہوا۔ عزیزؔ اپنے والد کی جائداد کے وارث ہوئے۔ لیکن بہت جلد تمام جائداد و دولت ختم کر دی۔ اور تلاش روزگار میں دہلی آئے۔ غالبؔ نے اُن کا کچھ وظیفہ باندھ دیا۔ چونکہ مرثیہ گوئی اور سوز خوانی میں کمال رکھتے تھے۔ غالبؔ نے اُن کا تعارف حکیم احسن اللہ خاں بہادر سے کرایا۔ حکیم صاحب نے انھیں بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بہادر شاہ ظفرؔ نے اُنھیں خلعتِ پارچہ اور گوشوارہ عطا کئے۔ سراج الشعرا، سراج الذاکرین خطاب دیا۔ اور تیس روپیہ ماہوار وظیفہ باندھا۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں یہ وظیفہ بند ہو گیا۔ انھوں نے اتالیقی شروع کر دی۔ ملاحظہ ہوں۔ تلامذۂ غالبؔ۔ ص/ ۲۳۷۔ ۲۳۸، خم خانۂ جاوید حصہ پنجم۔ ص/ ۵۸۷۔ ۵۸۸، نادراتِ غالبؔ۔ ص/ ۵۰۔ ۵۱۔

ص/ ۱۰۲

۱- عزیزؔ صفی پوری کا اصل نام ولایت علی خاں اور ولایتؔ تخلص تھا۔ لیکن جب وہ شاہ مخدوم خادم صفی پوری کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تو اُنھوں نے نام بدل کر محمد عزیز اللہ شاہ اور عزیزؔ تخلص رکھ دیا۔ عزیزؔ کے آباؤ اجداد نوابان اودھ کے دارالانشاء سے متعلق تھے۔ رونق علی خاں جو عزیزؔ کے پردادا تھے نواب سعادت علی خاں کے میر منشی تھے منشی ثابت علی خاں عزیزؔ کے دادا، اور غازی الدین حیدر و نصیر الدین حیدر کے میر منشی تھے۔ عزیزؔ کے والد منشی محمد یحییٰ علی خاں بھی محمد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے دربار میں میر منشی رہے تھے۔ عزیزؔ کی ولادت ۶ صفر ۱۲۵۹ھ (۸ مارچ ۱۸۴۳ء) کو ان کی ننھیال صفی پور میں ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں عزیزؔ کے مکانات جو شاہی محلات سے ملحق تھے لٹ گئے اور عزیزؔ لکھنؤ چھوڑ کر صفی پور ضلع اناؤ آ گئے۔ عزیزؔ فارسی کے زبردست عالم، انشاء پرداز،

اور شاعر تھے۔ فارسی نظم ونثر کی تقریباً ۲۶ تصنیفات وتالیفات اُن سے یادگار ہیں۔
اُردو میں بھی تین دیوان موجود ہیں۔
۱۳ محرم ۱۳۴۷ھ (۲۰ جولائی ۱۹۲۸ء) کو صفی پور میں اُن کا انتقال ہوا۔ اور وہیں
مدفون ہوئے۔ تفصیل کے لئے دیکھیے۔ فارسی کا ایک گمنام شاعر:۔ سید احمد حسن صفی پوری
زمانہ (کانپور) اکتوبر ۱۹۲۷ء ص/۱۷۹-۱۸۶، شاہ عزیز صاحب صفی پوری کی فارسی
تصنیفات: ع۔ معارف۔ اگست ۱۹۲۷ء ص/۱۵۱، مکاتیب حالی۔ ص/۳۱-۳۲،
تلامذۂ غالب۔ ص/۲۳۴-۲۳۶۔

/۱۱۳

۱۔ "لطائف غیبی" سید سعادت علی کی "محرق قاطع برہان" کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ اس
پر مصنف کا نام "میاں داد خاں سیاح" تھا۔ مالک رام کا خیال ہے کہ یہ خود غالب کی تصنیف
تھی اور مصلحتاً میاں داد خاں سیاح کے نام سے چھاپی گئی۔ ذکرِ غالب۔ ایڈیشن سوم
ص/۱۸۶-۱۹۲۔
۲۔ سیاح اورنگ آباد کے رہنے والے تھے۔ اور غالب کے عزیز شاگردوں میں تھے۔ ان
کے حالاتِ زندگی پر ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی نے ایک کتاب "میاں داد خاں سیاح اور
اُن کا کلام" لکھی ہے۔ جو ۱۹۵۷ء میں ادارۂ ادبیات اُردو حیدر آباد سے
چھپ چکی ہے۔

# ضمیمہ

## بنام علائی

صاحب! آگ برستی ہے، کیوں کر آگ میں گر پڑوں، مہینا ڈیڑھ مہینا اور چپکے رہو۔
دے و بہمن بہت دور ہے۔ آبان و آذر میں بشرطِ حیات قصد کروں گا۔ یہ چند ورق یوسف مرزا
نے از رہِ "دہلی اُردو اخبار" کاتب سے لکھوا رکھے تھے۔ اور میرے پاس پڑے ہوئے تھے۔
ثاقب کو دیئے تاکہ وہ کسی آدمی کے ہاتھ تم کو بھیج دے۔ اور تم میری طرف سے میرے بھائی اور
اپنے والد ماجد کو دو۔ جب اٹھا کر دیکھا کریں گے تو کئی منٹ کی دل لگی کو یہ اشعار مکتفی ہو جائیں گے

یہ سطریں جواب ہیں تمہارے اس خط کے جو آج اس وقت ڈاک سے میں نے پایا ہے۔

نیم روز دوشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۷۸ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۸۶۱ء [1]

غالبؔ

---

[1] مولوی مہیش پرشاد نے غالبؔ کے خطوط دو جلدوں میں مرتب کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مرحوم موصوف پہلی جلد مرتب کر پائے تھے۔ یہ تینوں خطوط دوسری جلد میں شامل تھے۔ جن کی نقل مالک رام صاحب کے پاس محفوظ ہے۔ مجھے ان تینوں خطوط کی نقلیں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے توسط سے ملی ہیں۔

## بنام منشی شیونرائن آرام

بھائی! میں تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ آج میرے پاس لکھنؤ کے ایک پارسل کی رسید آگئی۔ دوسرا بھی یقینی پہنچ گیا ہوگا۔ خاطر جمع رکھو۔ جناب آرنلڈ صاحب بہادر آج تشریف لے گئے۔ سنتا ہوں کہ کلکتہ جائیں گے۔ میم اور بچوں کو ولایت بھیج کر پھر آئیں گے مجھ سے وہ سلوک کر گئے ہیں اور مجھ پر وہ احسان کر گئے ہیں کہ قیامت تک اُن کا شکر گذار رہوں گا۔ مرزا حاتم علی صاحب مہر اگر آجائیں تو ان کو میرا سلام کہنا۔ مرزا تفتہ کو اگر کبھی خط لکھو تو میری دعا لکھنا۔

مرقومہ دوشنبہ۔ ہفدہم جنوری ۱۸۵۹ء

از

غالب

## بنام شہاب الدین ثاقب

میاں ثاقب صاحب!

کہاں پارسل بناتا پھروں، کہاں ڈاک میں بھجواتا پھروں۔ اس کتاب کو لوہارو بھیج دو اور جلد بھیج دو۔

(نیم روز دو شنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۲۷۸ھ مطابق ۳۰ ستمبر ۱۸۶۱ء)

غالب

# بنام نامعلوم

یہ سگ دنیا کہ اسد کہلاتا ہے اور تخلص اپنا غالب بتاتا ہے "قول المامور معذور" کا پاس کرتا ہے اور حضرت انجم فیض (کذا) سے التماس کرتا ہے کہ میں استفتا کے سزاوار نہ تھا۔ اور اب جو پوچھا گیا تو ہیچ و پوچ کہتا ہوں کہ میں فن "تاریخ و معما سے بیگانہ ہوں دیوان میں جو تاریخیں مندرج ہیں۔ بیشتر مادے اور ونکے اور قطعے فقیر کے ہیں۔ کبھی کوئی مادہ بھی عامیانہ کہدیا ہوگا ہاں حضرت مبداء فیاض نے گنجینۂ معنی سے بہت کچھ حصہ مجکو دیا میں نے سراسر قصیدہ و غزل و مثنوی و رباعی میں صرف کیا۔ البتہ بزور قوت ابداع مادہ "تاریخ میں نیا شبوہ نکالا

؎ زسال واقعہ مرزا مستیا نیک — ماّت راست شمارا ئمہ امجاد
صحیفہ ہائے مسادی مبیں زعشرات — حدیقہ ہائے بہشتی مشخص ازاحاد

ایضاً ۱۲۴۸ھ

عشرات از کواکب سیّار — ازبروج سپہر جوی ماّت

یہ دونوں قطعے کلیات فارسی منطبع مطبع اودھ اخبار لکھنؤ میں چھاپے گئے ہیں اور وہ مجلد مجموع بلاد ہند میں پہنچ گئے ہیں۔ اشرف البلاد حیدرآباد میں اگر دو چار ہوں گے تو ایک نسخہ میرا بھیجا ہوا جناب منشی حبیب اللہ خاں ذکا کے پاس ضرور ہوگا اوس میں مشاہدہ کیا جائے۔ اب بہ اتباع حکم احباب جس فن کو نہیں جانتا اوس کے حضوص میں عرض کرتا ہوں۔ کہ میں نے یہ مسائل اس سفینہ کے سوا کبھی نہیں دیکھے۔ اب جو دیکھے تو باللہ اس سے زیادہ نہیں سمجھا کہ ایک گروہ تاے

لہ غالب کا یہ خط "کتاب مناظرہ معنی و ذکی" میں نقل کیا گیا ہے جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ محمد اشرف صاحب انجینئر حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے۔ مجھے اس کی نقل ڈاکٹر مختارالدین احمد آرزو نے بھیجی تھی جن کا میں شکر گزار ہوں

دراز کے چار سو عدد اور تائے مدّورہ کے پانچ عدد گنتا ہے۔ پس نہ جناب نواب صاحب وجیہ الدین خاں بہادر معنی اپنے دعوے میں منفرد اور نہ حضرت سید صاحب میر محمد ذکی اپنے دعوے میں تنہا ہیں جو ایک جہت اختیار کروں تو دوسرے جہت والوں کو کہ وہ بھی اشخاص کثیر اور سب فاضل و تحریر (کذا) ہیں کیا جواب دوں اور ان کے دلائل کو کن دلائل سے رد کروں۔ امید کہ حضرات طرفین بموجب مفہوم لایکلف اللہ نفساً الا وسعہا اس پیر ہفتاد و شش سالہ ضعیف الحواس کو عفو فرمائیں۔

جنگ بہادر نظام
الملک اسد اللہ خاں
نجم الدولہ دبیر

# اشاریہ

# غلط نامہ

| سطر | صفحہ | غلط | صحیح |
|---|---|---|---|
| پانچویں | ص/۵۹ | یفیس | نفیس |
| پانچویں | ص/۶۳ | تردد میں ہے | تردد ہے |
| چھٹی | ص/۷۶ | جب | جبر |
| چھٹی | | گہ گشتیدہ الخ | گرناڈ گشیدہ گراشکِ چکیدہ ہوں |
| نویں | " | بے | ہے |
| ساتویں | ص/۸۷ | شطیمات | شطحیات |
| تیسری | ص/۸۹ | سراپا | ثرایا |
| دسویں | " | س مختل | حواس مختل |
| تیسری | ص/۹۱ | میں ہیں | زمیں ہیں |
| پانچویں | " | چلنیدن | جنبیدن |
| آٹھویں | " | بدست مرگ الخ | بداست مرگ ولے |
| سولھویں | " | نورد | خورد |
| چھٹی | ص/۹۲ | مساعد | ساعد |
| چھٹی | " | زبندگی | زنیدگی |
| نویں | " | پہ | چہ |
| دسویں | " | وعظ است | نہ وعظ است |
| ساتویں | ص/۹۳ | بنے | گے |
| سترھویں | " | صاب | صائب |
| دوسری | ص/۱۰۱ | لال | ملال |
| پانچویں | ص/۱۰۲ | کہ نتیجہ | کا نتیجہ |